اُردو میں صوتیاتی اور فونیمیاتی تحقیق کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ برائے ایم فل اُردو

مقالہ نگار:

محمد ظہیر الدین

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

ستمبر ۲۰۱۸ء

اُردو میں صوتیاتی اور فونیمیاتی تحقیق کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ برائے ایم فل اُردو

مقالہ نگار:

محمد ظہیر الدین

یہ مقالہ

ایم۔فل (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگوئجز

(اُردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

ستمبر ۲۰۱۸ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگوئجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: اُردو میں صوتیاتی اور فونیمیاتی تحقیق کا تجزیاتی مطالعہ

پیش کار: محمد ظہیر الدین رجسٹریشن نمبر:1102-MPhil/URD/F15

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: شعبہ زبان و ادب اُردو

ڈاکٹر فوزیہ اسلم _____

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان _____

ڈین فیکلٹی آف لینگوئجز

بریگیڈیئر محمد ابراہیم _____

ڈائریکٹر جنرل

_____

تاریخ

اقرارنامہ

میں محمد ظہیر الدین حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اِس مقالے میں پیش کیا گیا مواد میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز اسلام آباد کے ایم۔فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر فوزیہ اسلم کے زیر نگرانی مکمل کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا اِدارے میں ڈگری کے حصول کے لئے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔

محمد ظہیر الدین

مقالہ نگار

فہرست ابواب

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم		iii
اقرار نامہ		iv
فہرست ابواب		v
مقالے کا دائرہ کار		vi
Abstract		vii
مقالے کا مقصد		viii
اظہارِ تشکر		ix
باب اوّل:	صوتیات اور فونیمیات بنیادی مباحث	۱
	حوالہ جات	۲۷
باب دوم:	قطعاتی صوتیے	۲۹
	حوالہ جات	۶۵
باب سوم:	فوق قطعاتی / بالا کسری صوتیے اور دیگر مباحث	۶۸
	حوالہ جات	۸۲
باب چہارم:	مجموعی جائزہ	۸۳
	نتائج اور سفارشات	۹۷
	کتابیات	۹۹

مقالے کا دائرہ کار

میری تحقیق کا عنوان "اُردو میں صوتیاتی اور فونیمیاتی تحقیق کا تجزیاتی مطالعہ" ہے۔ میں نے اپنے مقالے کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں لسانیات کی تعریف، تاریخ، صوتیات اور فونیمیات کا تعارف کرانے کے ساتھ ساتھ، اردو میں ان کے لیے وضع کی گئی اصطلاحات کی وضاحت اور ان میں اختلاف کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں قطعاتی یا کسری صوتیوں کی وضاحت اور اردو میں ان کے حوالے سے کی گئی تحقیق کا ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں فوق قطعاتی یا بالا کسری صوتیوں کی وضاحت کے ساتھ ساتھ چند دوسرے مسائل بھی چھیڑے گئے ہیں جن میں سمعی یا سمعیاتی صوتیات اور لسانی خاص کر صوتی تغیرات کا جائزہ لیا گیا ہے جب کہ چوتھے اور آخری باب میں ساری تحقیق کا ایک مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ABSTRACT

Topic of my research is "Critical anylases of phonetic and phonemic research in Urdu". This thesis is divided into four chapters. In first chapter, definition and history of linguistics along with introduction of phonemics and phonetics has been discussed and also the contradiction and elaboration of terminologies in Urdu has been presented. The second chapter consists of research performed on segmental phonemes in Urdu. Third chapter consist of a discussion on supra segmental phonemes and other issues including auditory phonetics and linguistic variations. Fourth and last chapter presents a holistic overview of the findings of the research.

مقالے کا مقصد

ادب اور لسانیات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ادب کا مطالعہ، لسانیات کے مطالعے کے بغیر مکمل نہیں اور اسی طرح لسانیات بھی، ادب کے بغیر نامکمل ہے۔ کسی بھی زبان کے مطالعے کو انہی دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ مگر بد قسمتی سے اردو میں لسانیات کے حوالے سے تحقیق ابھی اس معیار کی نہیں ہو پائی جس معیار کی انگریزی یا دوسری معاصر زبانوں میں کی گئی ہے۔

زیر نظر مقالے میں، اردو میں لسانیات، اس کی دو اہم شاخوں، صوتیات اور فونیمیات کے حوالے سے کی گئی تحقیق اور اردو میں ان کے لیے وضع کی گئی اصطلاحات کا ایک اجمالی، تجزیاتی جائزہ لیا گیا ہے اور اس حوالے سے اردو میں کی گئی تحقیق کا معیار اور اس میں موجود کمیوں اور تشنہ پہلوؤں کی طرف نشان دہی کر کے اس ضمن میں مزید تحقیق کی طرف ایک راہ ہموار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اظہارِ تشکر

میں اپنے اس مقالے کی تکمیل کے موقع پر ان تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے اس مقالے کی تکمیل میں میری مادی اور اخلاقی مدد کی۔ خاص طور پر اپنی نگران ڈاکٹر فوزیہ اسلم کا از حد شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود ہر لمحے میرے لیے وقت نکالا اور اس کام کو میرے لیے آسان بنایا۔ میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ اگر وہ میری اتنی جاں فشانی سے مدد نا کرتیں تو میرے جیسے سہل پسند آدمی، جو ہر قدم پے تھک کے ہمت ہار جاتا تھا، کے لیے یہ تھیسس مکمل کرنا کبھی ممکن نہ ہوتا۔ شکر گزاری کے چند رسمی الفاظ شاید میرے جذبات کی کماحقہ عکاسی کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

ڈاکٹر ظفر احمد نے اگرچہ ظاہری طور پر میری کوئی مدد نہیں کی مگر یہ سچ ہے کہ ان کی ذات میرے لیے پہلی محرک تھی۔ میرے لہجے اور رویے کا توازن، ان کی بدولت ہے۔ ان کی نیک تمناؤں کے شکریے کے اظہار کے لیے بھی میرے پاس الفاظ موجود نہیں۔

مشفق اور ماؤں جیسی صدر شعبہ، ڈاکٹر روبینہ شہناز کا شکریہ ادا نہ کرنا یقیناً بہت بڑا بخل ہو گا کہ انہوں نے بھی ہر مقام پے ہمت بندھائی۔ ڈاکٹر صائمہ نذیر اور ان کے شوہر ڈاکٹر عرفان شہزاد کی حوصلہ افزائی بھی شکر گزاری کی مستحق ہے مگر ان کے ساتھ میری رفیقہ حیات کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جس جس مقام پے میں نے ہمت ہاری، اس اس مقام پر اس نے مجھے ہمت دی اور کہا کہ تم کر سکتے ہو۔

یہ سب لوگ میری اس کاوشِ ناتمام کی اصل وجہ ہیں۔ میں ان سب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ممنون ہوں۔

محمد ظہیر الدین

باب اوّل: صوتیات اور فونیمیات بنیادی مباحث

انسانی خیالات کی ترسیل کے مختلف ذرائع ہیں جیسے چہرے کے تاثرات، آنکھ کے اشارے، انگلیوں کا کسی چیز پر بجانا وغیرہ۔ ان تمام ذرائع کے استعمال میں بنیادی طور پر تین انسانی حسیں کار فرما ہوتی ہیں۔ بصری حس، صوتی حس، اور سمعی حس۔ ان میں سے صوتی ترسیل کے نظام کو زُبان، کہتے ہیں۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی خیالات، احساسات اور جذبات کی صوتی ترسیل کا نام 'زبان' ہے۔ جہاں تک لسانیات کی بات ہے تو لسانیات دوسرے علوم جیسے بشریات، عمرانیات، تاریخ اور نفسیات وغیرہ کی طرح ایک علم ہے جس کا موضوع زبان ہے۔ اس سلسل میں ڈیوڈ کرسٹل لکھتے ہیں:

> لسانیات کا علم سائنٹیفک طریقے سے زبان کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس علم کا موضوع زبان ہے۔ عام طور پر ایک زبان اور بالخصوص کئی زبانیں۔۱

ڈاکٹر گیان چند بھی لسانیات کے ضمن میں ڈیوڈ کرسٹل سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور لسانیات کو زبان کا سائنسی مطالعہ گردانتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: "لسانیات کی ہم یہ تعریف کرسکتے ہیں کہ لسانیات زبان کے سائنسی مطالعے کا نام ہے"۔ ۲

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک بات تو طے ہوگئی کہ لسانیات کا تعلق صرف اور صرف زبان سے ہے لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ زبان کے سائنسی مطالعے کو لسانیات کہا جاتا ہے تو اس سائنسی مطالعے کا کیا مطلب ہے؟

اس کے جواب کے لیے ہمیں پہلے سائنس کی وضاحت کرنی پڑے گی۔ کسی بھی علم کو سائنس تب کہا جاسکتا ہے جب اس کے مطالعے کے لیے کچھ مخصوص قواعد اور اصول و ضوابط کا خیال رکھا جائے۔ اس کے علاوہ سائنس میں مشاہدہ تجزیہ، واقعیت پسندی (Objectivity)، مفرضہ اور آزادانہ اظہارِ خیال بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ اب ان تمام عوامل کی لسانیات میں بھی بنیادی اہمیت ہے۔ زبان کے مطالعے میں عموماً آوازوں کی نوعیت اور ان کا انفرادی طور پر تجزیہ پہلا قدم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک ماہر لسانیات جب زبان کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے پیشِ نظر اس زبان کو اچھا یا برا ثابت کرنا نہیں ہوتا بلکہ جو ہے، اور جیسے ہے، کے اصول پر مکمل طور پر معروضی انداز اختیار کرتا ہے۔ مزید براں لسانیات میں زبان کا مشاہدہ دو طرح

سے کیا جاتا ہے۔ ایک کوئی باقاعدہ تجربہ گاہ جیسے فونیٹک لیب یا لینگوئج لیب میں بیٹھ کر دوسرے کوئی ایک لسانی گروہ کا انتخاب کر کے جہاں چند لوگوں کو بولتے ہوئے دیکھا جائے یا سنا جائے۔

مذکورہ بالا خصوصیات کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ لسانیات بھی سائنس کی طرح ایک آزاد علم ہے اور اس کا مطالعہ بھی ایک سائنسی مطالعہ ہے۔ کیوں کہ اس کے مشاہدے اور تجزیے میں وہ تمام اصول و ضوابط اپنانا ضروری ہیں جو کسی بھی سائنسی علم میں برتے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ زبان کا ادب سے تعلق سماج سے تعلق، خیالات و احساسات سے تعلق اور اعضائے صوت وغیرہ جیسے موضوعات بھی لسانیات کے بنیادی مباحث میں سے ہیں۔

ڈیوڈ کرسٹل لکھتے ہیں:

> لسانیات میں زبانوں کے ماخذ اور تاریخی ارتقاء سے بحث
> نہیں کی جاتی بلکہ لسانیات کی تعریف "زبان کے علم" کی
> حیثیت سے کی جاتی ہے اور یوں لسانیات کا بنیادی موضوع
> زبان کا غیر تاریخی یا یک زمانی مطالعہ ہے۔ ۳

لسانیات میں زبان کا جو سائنسی مطالعہ کیا جاتا ہے یہ مطالعہ تفہیم، وضاحت توجیہہ اور تجزیہ جیسے بنیادی عوامل پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے وسیع مفہوم میں لسانیات ایک سماجی علم بھی ہے جو زبان کی تشکیل میں کارفرما قوانین اور اس کے ارتقاء کا مطالعہ کرتی ہے اور بنیادی طور پر اس کی دو اقسام ہیں۔ عمومی لسانیات، جس، میں زبان کا عمومی مطالعہ کیا جاتا ہے اور توضیحی لسانیات، جس میں کسی مخصوص زبان کا مطالعہ شامل ہوتا ہے۔

الغرض اللہ رب العزت نے انسان کو جو حواسِ خمسہ عطا کیے ہیں ان میں سے ایک زبان بھی ہے جو چکھنے کے علاوہ بولنے کا عضو ہے۔ یہ عضو انسانی خیالات کے اظہار کے لیے مختلف الفاظ کا سہارا لیتا ہے۔ اسے عربی زبان میں لسان کہتے ہیں۔ لسانیات بھی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے اصطلاحی معانی زبان اور زبان کے متعلقات ہی ہیں۔ ماہرین لسانیات جب اس کے جامع معنی بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ اس نتیجے پہنچتے ہیں کہ لسانیات ایک ایسا علم ہے جس کا بنیادی ترین موضوع زبان ہے۔ البتہ وہ اس علم کو سائنسی مطالعے سے مشروط کرتے ہیں۔ یعنی کسی بھی زبان کے سائنسی مطالعے کا نام لسانیات ہے اور یہ کوئی زیادہ پرانا علم بھی نہیں ہے جس کی ایک وجہ ڈاکٹر خلیل صدیقی یہ بیان کرتے ہیں کہ زبان چونکہ انسانی خیالات کے اظہار کا صرف

ذریعہ ہے، مقصد نہیں اور معاشرے میں عمومی طور پر مقصد ہی کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ جبکہ ذریعے سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے اور اسے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔

اب یہ علم کتنا پرانا ہے۔ اسے کب باقاعدہ طور پر ایک علم کی حیثیت ملی اس علم کی شروعات کہاں سے ہوئیں اور اس کا تاریخی ارتقاء کن کن ادوار سے گزرا ہے، ان سب سوالات کے جوابات ذیل میں بہ عنوان لسانیاتی تاریخ، تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

لسانیاتی تاریخ:۔

لسانیاتی تاریخ میں مختلف زبانوں کی ترقی اور ارتقاء کی مختلف شکلوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے جیسے انگریزی زبان قدیم انگریزی سے، فرانسیسی زبان لاطینی سے فارسی زبان عربی سے اور اردو زبان عربی، فارسی اور ہندی وغیرہ سے اخذ و استفادہ کر کے ترقی یافتہ ہوئی۔

ماہرینِ لسانیات زبان کو مختلف قسم کی علامتوں کا ایک ایسا نظام تصور کرتے ہیں جو بنی نوعِ بشر کے درمیان ذریعہ ابلاغ کا کردار ادا کرتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محی الدین قادری زور لکھتے ہیں:

> زبان خیالات کے بیان کا ذریعہ ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ لفظوں اور فقروں کے توسط سے انسانوں کے ذہنی مفہوم و دلائل اور ان کے عام خیالات کی ترجمانی کرے۔ ۴

اب سوال یہ ہے کہ اس ذریعہ ابلاغ (زبان) نے مختلف ادوار میں اپنا یہی فریضہ کس طرح انجام دیا اور اس عمل کے دوران میں یہ کن کن تہذیبی، سماجی، تاریخی، اور سیاسی مراحل سے گزری۔ اس گتھی کو سلجھانے کے لیے ذیل میں اس مسئلے کا مرحلہ وار جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

زبان کی ابتدا اس دن سے ہو گئی جس دن یہ کائنات خلق ہوئی اور اس کائنات کے خالق و مالک نے حضرتِ آدمؑ و حواؑ کو پیدا کیا۔ پھر دونوں کے ملاپ سے نسلِ انسانی کو جاری فرمایا۔ اب قرین قیاس یہی ہے کہ روئے زمین پر بسنے والی اوّلین نسلِ آدم ایک جگہ رہتی ہو گی اور ان کی زبان بھی ایک جیسی ہی ہو گی۔ کچھ مدت کے بعد آبادی کی بہتات ہونے پر یہ نسلِ انسانی دنیا کے مختلف خِطوں میں بکھرتی چلی گئی ہو گی۔ مقامات کے اختلاف، ضروریات، طرزِ بود و باش اور زبان و ثقافت میں بھی تبدیلیاں رونما ہوئی ہوں گی۔ رفتہ رفتہ زبانوں میں اختلاف پیدا ہوا ہو گا جو آج ہم مختلف زبانوں میں دیکھ رہے ہیں۔

یہ زبان جو دنیا کے کونے کونے میں آباد انسانوں کے درمیان ایک پُل کا کردار ادا کر رہی ہے، اس کی تخلیق اچانک نہیں ہوئی بلکہ صدیوں پر محیط انسانی محنت و ریاضت کا ثمر ایک ترقی یافتہ زبان کی صورت میں حاصل ہوا۔ ابتداً زبان کو مافوق الفطرت سمجھا جاتا تھا لیکن رفتہ رفتہ ماہرینِ لسانیات نے اس کی بند گرہوں کو کھولنا شروع کر دیا اور حروف و مخارج کا کھوج لگایا۔ جہاں تک حروف اور الفاظ کا تعلق ہے تو بہ قول خلیل صدیقی اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ مظاہرِ فطرت کی مختلف آوازوں پر غور کرنے کی بدولت معرضِ وجود میں آئے۔

تخلیقِ زبان کا سوال ہر دور میں ادباء اور فلسفیوں کا ایک اہم موضوع بنا رہا۔ افلاطون اور دوسرے فلسفی اس کے سربستہ رازوں کو منکشف کرنے میں سرگرداں رہے۔ زبان کے اولین الفاظ کی نوعیت اور ان کی تشکیل میں معاون اصول و ضوابط کا تجسس مرورِ ایام کے ساتھ بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ عصرِ حاضر میں اسے سائنسی بنیادوں پر پرکھا جانے لگا۔

جہاں تک لسانیات بہ طور ایک سائنسی علم کی ابتدا کا تعلق ہے تو اسے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ ماہرین لسانیات اس کا آغاز اٹھارہویں صدی عیسوی سے گردانتے ہیں۔

جب کہ ماہرینِ زبان کے سائنسی مطالعے کی ابتدا انیسویں صدی سے بھی کرتے ہیں۔ ذیل میں ان ماہرین کی آراء کی روشنی میں ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) لسانیات پر ایک مربوط اور سائنسی بنیادوں پر کام کی ابتدا اٹھارہویں صدی سے ہوئی۔ اس دور میں ماہرین لسانیات کے اذہان و افکار میں یہ تجسس پروان چڑھتا گیا کہ آخر دنیا بھر کے لوگ ایک ہی زبان کیوں نہیں بولتے اور یہ کہ الفاظ کی تخلیق کیونکر ممکن ہوئی۔ لسانیاتی تاریخ کی ابتدا کے بارے میں ڈاکٹر خلیل صدیقی لکھتے ہیں:

> یہ رائے ظاہر کی جاتی ہے کہ لسانیاتی تاریخ کا آغاز ان
> تحریروں اور دستاویزوں کے مطالعہ سے ہوا جو اپنی مذہبی
> اور جمالیاتی اقدار کی وجہ سے محفوظ رکھ لی گئی تھیں۔ ۵

(۲) اٹھارہویں صدی کے اواخر تک لسانیات کا مطالعہ نظری گرامر اور لغت کے مسائل و مباحث تک محدود رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ زبان کے فطری آغاز کے مباحث پر بھی توجہ مرکوز رہی۔ اس صدی میں لسانیاتی مسائل پر علمی نقطہء نظر رکھنے والا پہلا مفکر ہرڈر ہے۔ جس کے بارے میں خلیل صدیقی کہتے ہیں:

اس نے (ہرڈر) اپنے مضمون کی ابتدا میں اس عقیدے پر
سخت نکتہ چینی کی ہے کہ زبان ایک عطیہ ءالٰہی ہے۔اس نے
مروجہ عقیدے کی تردید میں یہ کہا تھا کہ اگر زبان خدا کی
تخلیق کی ہوئی اور ودیعت کردہ ہوتی تو وہ بالکل مدلل اور کامل
ہوتی۔اس میں اختلافات نہ ہوتے۔٦

(۳) انیسویں صدی عیسوی میں لسانیاتی مطالعے نے اس وقت ایک نیا رنگ اختیار کیا جب ولیم جونز او کولروک نے اہلِ یورپ کو ہندی ثقافت سے آشنا کروایا اور سنسکرت گرامر جو کہ لاطینی گرامر کے مقابلے میں زیادہ علمی کہلانے کی مستحق ہے، کے مطالعے کی دعوت دی اور یوں یورپ کی تاریخی لسانیات میں سنسکرت کی دریافت نے اہم کردار ادا کیا۔اس ضمن میں ڈاکٹر گیان چند اپنی کتاب عام لسانیات میں لکھتے ہیں:

جدید تاریخی و تقابلی لسانیات کی بنیاد سر ولیم جونز کے
شکنتلا نائیک کے ترجمے سے پڑتی ہے۔اس سلسلے میں
انہوں نے سنسکرت کا مطالعہ کیا اور پھر خیال ظاہر کیا کہ
سنسکرت ،یونانی اور لاطینی بالیقین ایک ہی خاندان سے
ہیں۔۷

لسانیات کی تاریخ میں یہی انیسویں صدی تاریخی و تقابلی یا ہندیورپی تقابلی لسانیات کی صدی کہلائی جا سکتی ہے۔ کیوں کہ اس دور میں ماہرینِ لسانیات کی توجہ کا مرکز زیادہ تر قدیم زبانوں کے مختلف ادوار ،تغیرات، تاریخی گرامر کی تدوین اور ارتقاءِ زبان جیسے موضوعات رہے ہیں۔جیسا کہ خلیل صدیقی کا خیال ہے:

بعض مغربی علماء لسانیات کے خیال میں مغربی لسانیات
نے قدیم ہند کی لسانیاتی روایت سے گرامر کے مقابلے
میں صوتیات کے اثرات زیادہ قبول کیے ہیں۔۸

(۴) ڈیوڈ کرسٹل کا بھی یہی خیال ہے کہ لسانیات بہ طور علم کے متعارف ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔وہ لسانیات کی تاریخ کا آغاز کہیں بیسویں صدی کی ابتدا سے سمجھتے ہیں۔جب کہ جدید لسانیات تو اس سے بھی بعد کا خیال کرتے ہیں۔

ڈیوڈ کرسٹل اپنی تصنیف 'لسانیات کیا ہے' میں لکھتے ہیں:

> لسانیات کو متعارف ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ بحیثیت ایک علم، لسانیات کا مطالعہ بیسویں صدی کی ابتدا سے ہو۔ برطانیہ کی یونی ورسٹیوں میں لسانیات کو ۱۹۴۰ء میں ترقی ملی۔ البتہ امریکہ میں اس سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔۹

(۵) ڈاکٹر ناصر عباسی نیرؔ جدید لسانیات کا آغاز بہت پہلے سے خیال کرتے ہیں۔ لیکن جدید لسانیات کے سلسلے میں وہ ڈاکٹر گیان چند سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور اٹھارہویں صدی کے اواخر اور پوری انیسویں کو لسانیات کے مطالعے کی صدی ظاہر کرتے ہیں۔

> جدید لسانیات کا آغاز ۱۷۸۶ء سے تصور کیا جاتا ہے جب سر ولیم جونز نے سنسکرت زبان کا تعلق یونانی، لاطینی اور جرمینک زبانوں سے جوڑا۔ اس کے بعد پوری انیسویں صدی میں لسانیات کے تاریخی مطالعات کا دور دورہ رہا ہے۔۱۰

(۶) لسانیات کے مطالعے میں انیسویں صدی زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ اسی صدی میں اس مطالعے نے سائنسی حیثیت اختیار کر لی۔ ۱۸۰۸ء میں جرمن ماہر لسانیات "فریڈرک فان شلیگل" نے نسبی اور صوری بنیادوں پر زبان کی گروہ بندی کی روایت قائم کی۔ اسی طرح ۱۸۱۴ء میں ڈنمارک کے ماہر لسانیات "ریسک" نے پہلی بار زبان کے رشتوں کے اصول پیش کیے۔ اس نے ہند یورپی زبانوں کو چھ شاخوں میں تقسیم کیا۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ انڈین: اس میں تمام ہندوستانی زبانیں شامل ہیں۔

۲۔ ایرانک: اس شاخ میں تین زبانیں شامل ہیں؛ فارسی، آرمینی، لوسٹیک

۳۔ تھریسن: یہ شاخ یونای اور لاطینی زبانوں پر مشتمل ہے

۴۔ سرمائین: لیٹک اور سلادی زبانوں کی شاخ ہے

۵۔ گاتھک: جرمانک، سیکنڈے نیوین زبانیں

۶۔ کیلٹک: اس میں برطانوی اور گیلک زبانیں شامل ہیں۔۱۱

محمد حسین آزاد بھی اپنی تصنیف "سخندان فارس" میں دنیا کی مختلف زبانوں کی گروہ بندی اسی طرح چند شاخوں میں کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا:

> یورپ میں فلسہء زبان کے ماہرین نے بہت سی زبانوں کو پڑھا اور ہر زبان میں حرفوں کی تراکیب، لفظوں کے جوڑ بند اور عبارتوں کے انداز پر خیال کر کے کل زبانوں کو تین حلقوں میں انتظام کیا ہے۔ ہر حلقہ میں کئی کئی شاخیں لگائیں۔ ۱۲

ان تین حلقوں میں جو زبانیں شامل ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ ایرین : اس میں ہندوستانی، ایرانی، یونانی، لاطینی، فرنچ، جرمن اور روسی زبانیں شامل ہیں۔

۲۔ شیمیٹیک: عربی، عبرانی، کلدانی وغیرہ

۳۔ تیورنین: یہ شاخ متفرق زبانوں پر مشتمل ہے جن میں بہت سی بے قاعدہ اور بے علم زبانیں شامل ہیں۔ مثلاً تاتار، سیام، برما، کبجا، پیگو وغیرہ کی زبانیں۔

اب تک جو جائزہ پیش کیا گیا ہے یہ تو لسانیات بہ طور ایک علم کے تھا جس کی ابتدا اٹھارہویں اور انیسویں صدی سے ہوئی اور پھر آنے والے ہر دور میں اس علم کے مزید مباحث سامنے آئے جو یقیناً ماہرین لسانیات کی ان تھک کاوشوں اور اکتسابات کا نتیجہ ہیں۔ لیکن لسانیاتی تاریخ اپنے وسیع مفہوم میں اتنی پرانی ہے جتنی انسان کی اپنی تخلیق۔ کیونکہ جس دن انسان اس دنیا میں آیا اسی دن سے زبان بھی کسی نہ کسی شکل میں معرض وجود میں آگئی۔ زبان کی اس تخلیق کے عمل میں انسان کو بہت سے دشوار اور کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا تب جا کر اس موضوع کے سربستہ راز اس پر منکشف ہوئے۔ مذہبی حوالے سے بھی اسے دیوی دیوتاؤں یا پیغمبروں سے متعلق قرار دیا گیا۔ اس ضمن میں اس کی مختلف جہتیں بیان کی جاتی ہیں لیکن کوئی حتمی فیصلہ نہیں۔ عہد نامہ عتیق میں تخلیقِ زبان کے متعلق لکھا ہے:

> اور خداوند خدا نے کل جانور اور ہوا کے کل پرندے مٹی سے بنائے اور ان کو آدمؑ کے پاس لایا کہ دیکھے وہ ان کے کیا نام رکھتا ہے اور آدمؑ نے جس جانور کو جو کہا

الغرض عہدِ قدیم ہی سے انسان نے زبان کی ماہیت کو جاننے کی کوشش کی ہے۔ ہر عہد اور دنیا کے ہر خطے میں یہ عمل جاری و ساری رہا۔ یہ زبان ہی تھی جس کی بدولت عرب اپنے آپ کو ماورا سمجھتے تھے اور فصاحت و بلاغتِ زبان پر فخر کرتے تھے۔ ان کی زبان میں یہ معنویت اور بلند آہنگی زبان کے مطالعے کی وجہ سے ہی پیدا ہوئی۔ انہوں نے اپنی ہم عصر اور قدیم زبانوں کا مطالعہ کیا اور ان سے نتائج اخذ کیے۔ زبانوں کا یہ مطالعہ اور مختلف زبانوں سے اخذ و استفادے کا یہ سلسلہ مرورِ ایام کے ساتھ جاری و ساری رہا۔ اس سلسلے میں پانینی کا ذکر ضروری ہے۔ جس نے سب سے پہلے دنیا کی ایک زبان کی گرائمر تحریر کی اور زبان کو سمجھنے کی کوشش کی۔ قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے مباحثِ زبان میں خصوصی دلچسپی لی اور بولیوں کی نشان دہی کی جب کہ اطالوی اور فرانسیسی کو ایک ہی زمرے کی زبانیں قرار دیا۔ اسی لیے مسیحی دنیا میں عہد نامہ قدیم کی زبان عبرانی سیکھنے کی ضرورت و اہمیت محسوس ہوئی اور ساتھ ساتھ سامی زبان اور کچھ یورپی زبانوں کے سرسری تقابل کا رجحان بھی پیدا ہوا۔ جس کا ایک اجمالی جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۶۷۷ء میں ایک فرانسیسی پادری کورڈو، نے پانڈیچری سے ایک مراسلہ پیرس روانہ کیا جس میں سنسکرت، لاطینی اور یونانی زبانوں کی لسانی مماثلتیں پیش کیں۔ اسی طرح جرمن کے ماہر لسانیات ولیم فان، ہمبولٹ نے ۱۸۲۲ء میں زبان کے ارتقائی مدارج بیان کئے اور چند سال بعد ۱۸۳۴ء میں زبان کو درج ذیل چار گروہوں میں تقسیم کیا۔

۱۔ انفرادی

۲۔ تالیفی

۳۔ تصریفی

۴۔ انضمامی ۱۴

اس کے علاوہ آگسٹ شیلنجر جسے تقابلی لسانیات کے دورِ اول کا انتہائی اہم نمائندہ مانا جاتا ہے، نے ہیگل کے نظریات کے زیرِ اثر زبان کے ارتقا کے تین مراحل پیش کئے۔

۱۔ پہلی صورت میں کلموں سے صرف معنی کا اظہار ہوتا ہے۔

۲۔ دوسری صورت میں کلمے معنی ظاہر کرتے ہیں۔

۳۔ تیسری صورت میں مادے یا مستقل کلمے میں جوڑے جانے والے اجزا اس میں مدغم ہو کر اپنی اصلی ہیئت کھو بیٹھتے ہیں۔ ۱۵

شیلنجر کے بعد میکس مُلر نے بھی انہی تین منازل کو بیان کیا ہے صرف اصطلاحات مختلف وضع کی ہیں۔ وہ پہلی منزل کو اصلی یا بنیادی، جب کہ دوسری کو ٹرمینل سٹیج کہتا ہے۔ اسی طرح جان بیمز نے زبان کے ارتقاء کی چار کٹریاں بیان کی ہیں۔

۱۔ ترتیبی یا نحوی

۲۔ ترکیبی یا تالیفی

۳۔ تصریفی یا اشتقاقی

۴۔ تحلیلی ۱۶

جرمن عالم ارنسٹ لیوی پہلے سے پیش کردہ فرانز نکولس فنک کی صوریاتی تقسیم میں کچھ ترمیم کر کے یورپ کی اٹھارہ جدید زبانوں کو علاقائی بنیادوں پر تقسیم کیا ہے اور یہ تقسیم پانچ خطوں پر مشتمل ہے۔

امریکی ماہرِ لسانیات ایڈورڈ ساپر نے بہت سی امریکی انڈین زبانوں کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے۔ وہ زبانوں کے حقائق کو انسانی اقدار سے الگ کر کے نہیں دیکھتا اور اس نے تقسیم السنتہ کے تین معیار مقرر کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ساپر نے ۱۹۵۷ء میں آسلو کانگرس میں زبان پر بحث و مباحثہ سے زبان کی اساس کو جاننے کی کوشش کی۔ اس کی رائے میں دنیا کی تمام زبانیں پیچیدہ اور ایک لمبی تاریخی و سماجی ساخیات رکھتی ہیں اور یہ کہ زبانوں کے مطالعے میں ان کا آپس میں ربط و تعلق تلاش کرنا زیادہ ضروری ہے۔ کیوں کہ تمام زبانیں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور جدید زبانیں قدیم زبانوں کا ایک قسم کا تتمہ ہوتی ہیں۔ ۱۷

انیسویں صدی کے آخر میں فریڈرک مُلر نے زبان و نسل کی ہم آہنگی کا تصور پیش کیا اور کہا کہ کوئی درجن بھر نسلیں نشو نما پا کر سینکڑوں گروہوں میں بٹ گئیں جنہوں نے زمان و مکان اور خارجی عوامل کے زیرِ اثر مختلف قسم کی زبانیں اور بولیاں اختیار کر لیں۔

لسانیات کے سلسلے میں جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے تو یہ زبان بھی انہی مذکورہ عوامل کے تحت وجود میں آئی۔ اردو زبان کی ابتداء و ارتقا کے بہت سے نظریات سامنے آچکے ہیں جن میں کُلی نہ سہی جزوی صداقت ضرور ہے۔ جو یقیناً محققین اور ماہرینِ لسانیات کی عرق ریزی کا بیّن ثبوت ہیں۔ کچھ ماہرین نے اُردو زبان کا آغاز قدیم ویدک بولی یا دراوڑی میں تلاش کیا تو بعض نے اس کی بنیاد پنجابی زبان کو قرار دیا۔ جب کے

بعض محققین نے اردو زبان کا مسکن دکن خیال کیا۔ تو زبان کے سلسلے یہ تمام نظریات اپنی اپنی جگہ درست ہیں کیونکہ دوسری تمام زبانوں کی طرح اردو بھی مختلف زبانوں اور بولیوں کی نشوونما کا نتیجہ ہے اور ان سب بولیوں نے اردو کی عمارت بلند کرنے میں مٹی، گارے اور مسالے کا کردار ادا کیا۔

آج ہم دنیا کی مختلف زبانوں میں جو فرق اور اختلاف دیکھ رہے ہیں تو یہ انہی زمانی، مکانی اور تہذیبی عوامل کی وجہ سے ہے جن کے زیرِ اثر آج کی زبانیں پروان چڑھیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ ایک طالب علم بطور محقق ان تمام عوامل سے مکمل نہ سہی جزوی آگاہی ضرور رکھتا ہو۔

صوتیات:۔ (Phonetics)

صوتیات عربی زبان کے لفظ صوت سے ہے جس کے معنی ہیں بانگ، آواز، صدا، ندا وغیرہ۔ اس کی جمع اصوات ہے۔ اصطلاحاً صوتیات سے مراد وہ علوم وفنون ہیں جو آواز سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک علم زبان بھی ہے۔

انگریزی زبان میں صوتیات کو "Phonetics" کہتے ہیں۔ جہاں تک صوتیات کی تعریف کا تعلق ہے تو اس ضمن میں ماہرینِ لسانیات نے مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ ڈیوڈ کرسٹل اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کی صوتیات لسانیات کی ایک اہم شاخ ہے جس کی تین جہات ہیں۔

۱۔ اعضائے صوت کا مطالعہ، جن کی مدد سے ہم تکلم کی بنیادی آوازوں کو ادا کرتے ہیں۔

۲۔ آواز کی لہروں کا مطالعہ یعنی ترسیل الفاظ کا عمل۔

۳۔ وہ طریقہ جس کی مدد سے انسان آوازوں کا ادراک کرتا ہے۔۱۸

یعنی صوتیات انسان کی تکلمی آوازوں کی سائنس کا نام ہے۔ اور یہ وہ علم ہے جو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ بولتے وقت منہ میں ہوا میں یا کان میں کیا عمل ہوتا ہے۔ پس ایک ماہر صوتیات کا مقصود بالذات صرف اور صرف آوازوں کا مطالعہ جیسے اور جو کچھ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر گیان چند صوتیات کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

> اس میں اصوات کی زیادہ سے زیادہ نزاکتوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ شاخ کسی ایک زبان تک محدود نہیں۔ اس میں تمام زبانوں کا مجموعی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ویسے کسی ایک زبان یا بولی کی صوتیات پر بھی بحث کی جاسکتی ہے۔۱۹

اقتدار حسین نے اپنی کتاب "لسانیات کے بنیادی صول" میں لسانیات کی مختلف سطحیں بیان کی جو کہ یہ ہیں۔ صوتیات، فونیمیات، مارفولوجی، علمِ نحو، معنیات۔ آگے چل کر وہ صوتیات کی تعریف کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

> اس میں ہم کسی زبان کی کل صورتوں کا مطالعہ
> کرتے ہیں نیز یہ دیکھتے ہیں کہ یہ آوازیں کس
> طرح پیدا ہوتی ہیں اور ان آوازوں کو ہم مطالعی
> اور تقابلی جائزے کے لیے کس طرح درجہ بندی
> کر سکتے ہیں۔ ۲۰

خلیل صدیقی بھی صوتیات کے ذیل میں ڈیوڈ کرسٹل سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں۔

> صو تیات ایک ایسا سائنسی علم ہے جو انسان کی
> تکلمی آوازوں سے بحث کرتا ہے۔ اس علم کے
> دائرے میں وہ تمام اعضاء و جوارح آجاتے ہیں
> جو بولنے اور سننے کے دوران استعمال میں آتے
> ہیں۔ ۲۱

آج جدید مواصلات کا دور ہے جہاں ہر قسم کے علم تک انسان کی رسائی ہو چکی ہے۔ انٹرنیٹ کی دنیا، جس میں تمام قسم کے علوم و فنون ایک کیپسول کی شکل میں ملتے ہیں کے اندر جب صوتیات کی تعریف تلاش کرنے کی کوشش کی ہے تو یوں سامنے آئی ہے؛

> The branch of linguistics that deals with the sounds of speech and their production, combination, description and representation by written symbols. 22

ڈاکٹر عبد السلام کے مطابق:

> صوتیات کا موضوع انسانی تکلم میں استعمال ہونے

والی اصوات ہیں۔ ان تمام اصوات کا مطالعہ جو انسانی
بولیوں اور زبانوں میں استعمال ہوتی ہیں۔ ۲۳

جان لائنز صوتیات کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

Phonetics is the scientific study of production, transmission and reception of speech sounds. It studies the medium of spoken language. 24

مذکورہ بالا تمام تعریفوں کو دیکھا جائے تو یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ صوتیات ایک ایسا سائنسی علم ہے جس کا تعلق انسان کے ان اعضا و جوارح سے ہے جن کی مدد سے وہ ہم کلام ہوتا ہے۔ یوں اس علم کے دائرہ کار میں وہ تمام انسانی اعضاء آ جاتے ہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ کلام کرنے یا کلام سننے کے لیے استعمال میں آتے ہیں۔

ان اعضاء کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ جوفِ دہن: منہ کے اندر کا خلا

۲۔ زبان

۳۔ ہونٹ

۴۔ دانت

۵۔ عصبی نظام

۶۔ سانس اور پھیپھڑے

۷۔ نرخرہ

۸۔ پیٹ

۹۔ سینہ

۱۰۔ جبڑے

۱۱۔ حلق

۱۲۔ ناک

انسانی نطق و گویائی کے لیے درج بالا تمام اعضا حصہ بہ قدر جُثہ اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اب صوتیات میں ان تمام عوامل کو شامل کر کے اس علم کے مطالعے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: بہ قول خلیل صدیقی۔

ا۔ اجزائے صوت یا آواز کا میکانکی عمل، اعضائے صوت، مخارجِ ادا اور طریقِ ادا کا مطالعہ

۲۔ بات چیت سے پیدا ہونے والی صوتی لہروں، ان کی ترسیل، صوتی عناصر کی ماہیت، خصوصیات اور کیفیت کا مطالعہ

۳۔ اعضائے سماعت، صوتی لہروں کی موصولی، کشفِ علامات (Decoding of Symbols) اور نفسیاتِ ادراک کا مطالعہ۔ ۲۵

الغرض صوتیات علم لسانیات کی وہ شاخ ہے جس میں تکلمی آوازوں کے پیدا ہونے کے طریقے، ان کی درجہ بندی اور ان کے ذرائع کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر اقتدار حسین نے صوتیات کی مزید تین ذیلی شاخیں گنوائی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

(الف) سمعیاتی صوتیات: اس میں انسانی حلق سے نکلنے والی ان آوازوں کا تجزیہ شامل ہوتا ہے جو ہوا میں لہریں بناتی ہیں۔

(ب) سماجی صوتیات: کان کے پردے پر جو آوازیں ٹکرا کر تھرتھراہٹ پیدا کرتی ہیں، ان کا تجزیہ سماعی صوتیات میں کیا جاتا ہے۔

(ج) تلفظی صوتیات: انسان کے منہ سے جب آوازیں خارج ہوتی ہیں تو ان انسانی اعضا جو اس دوران استعمال میں آتے ہیں کی حرکت کا تجزیہ کرنا اس صوتیات میں شامل ہوتا ہے۔ ۲۶

اس کے علاوہ آوازوں کی نوعیت کے اعتبار سے اگر ہم صوتیات مطالعہ کریں تو ان آوازوں کی درج ذیل پانچ اقسام ہیں اور ان تمام اقسام مطالعہ صوتیات کے دائرہ کار ہی میں آتا ہے۔

(ا) بندشی آوازیں:۔ (Stops)

ہوا کے راستے کو مکمل طور پر بند کر کے اس کے دباؤ کو منہ یا گلے میں کسی بھی مقام پر روک دینے سے جو آوازیں پیدا ہوتی ہیں انہیں بندشی آوازیں کہا جاتا ہے جیسے پ، ب، ت، ک، گ وغیرہ۔

(۲) صفیری آوازیں:۔ (Spirants)

یہ وہ آوازیں ہوتی ہیں جب منہ ہوا کے راستے کو بند کر کے ایک پتلا شگاف چھوڑ دیا جاتا ہے جس یہ آوازیں نکلتی ہیں۔ ان کے نکلنے سے سیٹی کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً س، ش، غ، خ، خول، غول وغیرہ۔

(۳) پہلوی آوازیں:۔ (Laterals)

جب زبان کے ایک طرف یا دونوں طرف تھوڑا سا راستہ کھلا رہے تو اس حالت میں نکلنے والی آوازوں کو پہلوی آوازیں کہتے ہیں۔ جیسے کال، لال۔

(۴) ارتعاشی آوازیں:۔(Trills)

جب ہوا کہ گزرنے سے منہ کا کوئی اندرونی لچک دار حصہ مرتعش ہو جائے تو اس دوران ادا ہونے والی آوازیں ارتعاشی کہلاتی ہیں۔ مثلاً پار، پاڑ، گر، گڑ وغیرہ۔

اگر ان چاروں اقسام کو اکٹھا کر دیا جائے تو یہ سب مل کر مصمتے "Consonants" کہلاتی ہیں۔

(۵) مصوتے:۔(Vowels)

ان آوازوں کو ادا کرتے وقت منہ کے اندر ہوا کے گزرنے کا راستہ نسبتاً کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ زبان اور ہونٹوں کی حرکات سے منہ کے اندرونی حصے میں تبدیلی لائی جاتی ہے۔ لہٰذا مصوتوں کی وجہ بندی بھی تین خصوصیات کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔

۱۔ ہونٹوں کی حالت

۲۔ زبان کی حالت

۳۔ زبان کا وہ حصہ جو مخرج سے جا کر لگے۔

ان کی مزید وضاحت اگلے باب میں آئے گی۔

فونیمیات:۔ (Phonemics)

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ آوازوں کی ایک مخصوص تنظیم یا مخصوص سانچوں میں ڈھلی ہوئی آوازوں کا نام زبان ہے۔ مخصوص تنظیم یا مخصوص سانچوں کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے منہ سے بہت سی آوازیں نکال سکتا ہے اس میں شعوری بھی ہو سکتی ہیں اور لاشعوری بھی جیسے سوتے وقت منہ سے آوازیں نکالنا یا چھینک آجانا وغیرہ۔ تو ان سب آوازوں کو ہم زبان نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ ان میں سے وہ آوازیں زبان کے دائرے میں

آسکتی ہیں جن کا کوئی مفہوم و معانی ہو اور دوسری آوازوں سے مل کر معنی پیدا کریں۔ اور یہ نمونے جن کے مطابق آوازوں کو مرتب کیا جاتا ہے اس زبان کا صوتی نظام (Sound System) کہلاتے ہیں۔

اب ان مخصوص یا امتیازی کو مختلف اکائیوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے جنہیں فونیم کہتے ہیں۔ فونیمیات مین ہم انہی امتیازی یا تفاعلی اکائیوں یعنی فونیم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اقتدار حسین لکھتے ہیں:

> اس میں (فونیمیات میں) ہم ان طریقوں کا مطالعہ کرتے ہیں جن سے ہم کسی زبان کی تخالصی اور امتیازی آوازوں کی اکائیاں معلوم کرتے ہیں۔ ان امتیازی آوازوں کی تعداد کسی بھی زبان میں محدود ہوتی ہیں۔ ان کو فونیم کہتے ہیں۔ ۲۷

فونیمیات میں ان امتیازی اکائیوں کو صوتیے بھی کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند فونیمیات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس میں کسی ایک زبان کے صوتیوں کا تعین کیا جاتا ہے۔ اس طرح اصوات کی متعدد ذرّیات کی گروہ بندی کر کے انہیں کم سے کم صوتیوں (Phonem) میں سمیٹ لیا جاتا ہے۔ ۲۸

فونیمیات کا تصور ایک اور زاویے سے بھی ہم واضح کر سکتے ہیں اور وہ یہ کہ کسی ایک زبان میں بولنے کے دوران منہ سے نکلنے والے بے شمار الفاظ آوازوں کی شکل میں نکلتے ہیں لیکن ہر زبان ان بے شمار آوازوں میں سے صرف ایسی آوازوں کو اپنا لیتی ہے جو ممیز ہوتی ہیں اور جنہیں لسانیاتی اصطلاح میں صوتیے یا فونیم (Phonems) کہا جاتا ہے۔ یہ صوتیے اس زبان کی ایسی اکائیاں ہوتے ہیں جن پر مفاہیم و معانی کی بنیاد ہوتی ہے۔ جیسے پال، بال، تال، جال، مال وغیرہ۔ اب ان الفاظ میں 'ا، اور 'ل، کی اوازیں مشترک ہیں مگر ہر ایک میں ابتدائی آواز بدلنے سے لفظ کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ تو اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ پ، ت، ک، گ وغیرہ ممیز آوازیں ہیں یعنی صوتیے ہیں۔ لسانیات کی وہ شاخ جو کسی مخصوص زبان کے ان صوتیوں کے مطالعے کو اپنے حصار میں لیے ہوئے ہو "فونیمیات" کہلاتی ہے۔

کسی زبان کی فونیمی ساخت میں جن باتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے ان میں ایک تو فونیم کی پہچان اور تعداد ہے۔ دوسری ہر ایک فونیم کے ذیلی فونیم کی پہچان اور تعداد اور تیسری بات یہ کہ ان فونیم کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ یہ فونیم تعداد میں کم ہوتے ہیں۔ عموماً ایک زبان میں ان کی تعداد پندرہ سے پچاس تک ہو سکتی ہے۔

فونیمیات میں ان صوتیوں یا فونیم کو معلوم کرنے کے طریقوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ فونیم کی کیا تعریفِ متن کی جائے۔ اس سلسلے میں مختلف ماہرین کی آراء کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر عبد السلام فونیم کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> جس طرح صوتیات کی اکائی کو صوت (Phone) کہتے
> ہیں اسی طرح فونیمیات کی اکائی کو صوتیہ
> (Phoneme) کہتے ہیں۔۲۹

فونیم کی ایک اور تعریف یہ ہے کہ ایک فونیم آوازوں کا ایسا کنبہ یا درجہ ہے جس کے ممبر صوتی اعتبار سے ایک سے ہوتے ہیں اور جو آپس میں تکمیلی تقسیم میں ہوتے ہیں۔ ان ممبروں کو اس فونیم کے ذیلی فونیم کہتے ہیں۔

ڈینیل جونز نے بھی صوتیے کو اصوات کا خاندان کہہ کر مخاطب کیا ہے انہوں نے ۱۹۸۷ء میں اپنی کتاب کے چوتھے ایڈیشن میں لکھا ہے کہ صوتیہ بیشتر حالات میں استعمال ہونے والی صوت پر اور اس سے رشتہ رکھنے والی اصوات پر مشتمل ہوتا ہے۔

بلوم فیلڈ صوتیے کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> Phoneme is the minimal unit of
> distinctive sound feature. 30

ان تعریفات کی روشنی میں خلاصہ کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک زبان میں اہم آوازیں یا تفاعلی اکائیاں جو کہ محدود تعداد میں ہوتی ہیں، فونیم یا صوتیے کہلاتی ہیں۔ اور ایک فونیم کی کئی خصوصیات ہوتی ہیں۔ فونیم کو عموماً ترچھی قوسین میں تحریر کیا جاتا ہے، کسی بھی فونیم کی اپنی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں مثلاً دولبی، بندشی، غیر مسموعیت اور ہکاریت وغیرہ۔

الغرض جب ہم صوتیا اور فونیمیات کی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں تو صوتیات سے مراد لسانیات کی وہ شاخ ہے جس میں تمام انسانی آوازوں کا (بغیر کسی مخصوص زبان کی قید کے) عمومی مطالعہ کیا جاتا ہے جس میں آوازوں کے پیدا ہونے کے طریقے اور ذرائع اور ان کی درجہ بندی شامل ہوتی ہے جب کہ فونیمیات ایک

مخصوص زبان تک محدود ہوتا ہے۔اس میں کسی ایک زبان کی مخصوص اور امتیازی آوازوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔مثلاً جب ہم انگریزی کے مصوتی نظام(Vowel System)،جرمنی کے مصمتی آوازوں (Consonantal Sounds) یا عربی کے سر لہر یا قرات پر گفتگو کر رہے ہوں تو گویا ہم فونیمیات کے موضوع پر بات کر رہے ہیں۔جب کہ بحث اگر دولبی مصمتوں(Bilabial Consonants)یا رکن نغمگی (Melody)کی فطرت یا سُر(Pitch)کی ہو تو بنیادی طور پر صوتیاتی گفتگو،بیان یا بحث کہائے گی۔

صوتیات اور فونیمیات میں فرق:۔

ڈاکٹر گیان چند صوتیات اور فونیمیات میں فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> صوتیات میں آوازوں کی زیادہ سے زیادہ
> نزاکتیں دریافت کی جاتی ہیں لیکن فونیمیات
> میں غیر ضروری نزاکتوں کو نظر انداز کر کے
> صرف انہی اختلافات کا جائزہ لیا جاتا ہے جو معنٰی
> کو تبدیل کر سکتے ہیں۔۳۱

اقتدار حُسین کے مطابق بھی صوتیات کا تعلق زبان کی کل صورتوں کا مطالعہ ہے جن کہ فونیمیات کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ان طریقوں کا مطالعہ ہے جن سے ہم کسی زبان کی امتیازی آوازوں کی اکائیاں معلوم کرتے ہیں اور ان اکائیوں کو فونیم یا صوتیے کہا جاتا ہے۔۳۲

المختصر صوتیات اور فونیمیات کی اس تمام بحث کو اگر خلاصہ کے طور پر بیان کرنا مقصود ہو تو درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

(۱) صوتیات میں زبان کے پیدا ہونے کے طریقوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے جب کہ فونیمیات کسی زبان کی اہم آوازوں یعنی فونیم کو معلوم کرنے کے اصول وضوابط سے بحث کرتی ہے۔

(۲) صوتیات میں جو آوازیں معلوم کی جاتی ہیں وہ دوسری زبانوں میں بھی مشترک ہو سکتی ہیں یعنی صوتیات تمام زبانوں کی آوازوں کو زیرِ بحث لاتی ہے جب کہ فونیمیات کا کام کسی خاص زبان کے صوتیے یا فونیم معلوم کرنا ہے۔

(۳) صوتیات کا شعبہ نظریاتی طور پر لا محدود ہے جب کہ فونیمیات کا،جن آوازوں سے سروکار ہوتا ہے وہ ہر زبان میں محدود ہوتی ہیں جن کی تعداد پندرہ سے پچاس تک ہو سکتی ہے۔

(۴) صوتیات میں ادا ہونے والی آوازوں کو تحریر کرتے وقت مربع قوسین جیسے cut کو (Kat) میں دکھایا جاتا ہے جب کہ فونیمیات میں صوتیوں یا فونیم کو ترچھی قوسین /Kat/ میں رکھا جاتا ہے۔

صوتیاتی اور فونیمیاتی اصطلاحات:۔

اصطلاح ایک ایسا لفظ یا ایسا مرکب ہوتا ہے جس کے ذریعے مختلف اصحاب علم و فن نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ اپنی بات دوسرے اصحابِ علوم و فنون تک پہنچاتے ہیں اور ایک دوسرے سے ابلاغ کرتے ہیں۔ اگر ایک اصطلاح بہت زیادہ استعمال ہوتی ہے اور اسے عمومیت مل جاتی ہے تب جا کر وہ باقاعدہ طور پر عملی زبان کا حصہ بن جاتی ہے۔

دنیا کی دوسری تمام زبانوں کی طرح، اُردو میں بھی مختلف علوم و فنون کے لیے مختلف اصطلاحات وضع کر دی گئی ہیں۔ جو کچھ تو ایک عرصے سے بولی جانے والی اس زبان میں ضرورتی اور نفسیاتی طور پر خود بخود بنتی گئیں کچھ باہر سے درآتی گئیں اور کچھ مرور ایام کے ساتھ ضرورت کے تحت باقاعدہ منصوبہ بندی سے بنائی اور وضع کی گئیں۔ یہ اصطلاحات درست ہیں یا غلط، ان کو ٹھیک اصولوں کے تحت بنایا گیا یا غلط یہ ایک الگ بحث ہے جو ایک الگ بحث کا تقاضہ کرتی ہے اور وہ اس مقالے کا موضوع نہیں ہے۔

یہاں صرف اُردو میں لسانیات کے حوالے سے وضع ہونے والی یا وضع کی جانے والے اصطلاحات پر بحث کی جائے گی۔ یہ اصطلاحات درست ہیں یا نہیں۔ جن مفاہیم کے لیے وضع کی گئی ہیں ان پر پورا اترتی ہیں یا نہیں۔ یہ بحث کرنے سے پہلے اس بات کا ذکر کیا جانا ضروری ہے کہ اُردو اصطلاحات کے بارے میں ایک عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ یہ غیر مانوس نا قابلِ فہم اور مشکل ہیں۔

یہ بات سمجھنا نہایت اہم ہے کہ کسی بھی علم کے لیے وضع کی گئی اصطلاحات انہی لوگوں کے لیے ہوتی ہیں جو اس علم سے واقف ہوتے ہیں اس لیے دوسرے علوم کے ماہرین کا ان سے کماحقہ، واقف ہونا ہرگز ضروری نہیں یعنی ایک شخص کو طبیعات یا حیاتیات پر دست رس تو دور کی بات، ان علوم سے بنیادی شدبد بھی حاصل نہیں تو یہ بات ضروری ہے کہ اس کے لیے ان علوم کی اصطلاح بھی مشکل اور ادق ہوں گی۔ بالکل اسی طرح دوسری زبانوں کی اصطلاحات بھی کسی اور زبان بولنے والے کے لیے مشکل اور نا قابل فہم ہی ہوں گی۔ اب یہ کہنا کہ اُردو اصطلاحات مشکل ہیں یا عام فہم نہیں تو یہ محض اعتراض برائے اعتراض ہی ہو گا۔

دوسری بات یہ کہ اُردو میں دوسری زبانوں کی آمیزش بھی بہت زیادہ ہے۔ یہ شاید دنیا کی واحد نہیں تو ان گنی چنی چند زبانوں میں سے ایک زبان ہو گی جس میں صرف اپنے خاندان ہی کی نہیں بلکہ دوسرے خاندانوں کی زبانوں کا بھی بہت زیادہ عمل دخل ہے۔ اُردو آریائی خاندان کی زبان ہے جس جب کہ عربی، سامی اور ترکی کا تعلق توراتی خاندان سے ہے اور یہ دونوں زبان، اُردو میں بہت زیادہ نفوذ رکھتی ہیں۔ عرب کے ساتھ مذہبی تعلق ہونے کی وجہ سے اہل اُردو اسے بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ہماری اکثر اصطلاحات اسی زبان سے اخذ شدہ ہیں یا پھر فارسی سے۔ فارسی سے بھی اُردو کا وہی رشتہ ہے جو عربی سے ہے۔ یعنی اہل اسلام کا مذہبی رشتہ۔ کیوں کہ عرب کے بعد، زیادہ تر اسلامی علوم فارسی میں ہی ہیں بلکہ بنیادی اسلامی ماخذ یعنی قرآن وحدیث کے بعد اکثر اسلامی علوم فارسی میں ہی ہیں۔ ان سب باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی حد تک یہ بات درست بھی معلوم ہوتی ہے کہ ہماری ایک حد تک ناقابل فہم اور مشکل ضرور ہیں مگر غیر مانوس ہر گز نہیں۔ اُردو میں وضع اصطلاحات سازی کے بارے میں شان الحق حقی لکھتے ہیں۔

> اُردو میں اصطلاح سازی، شعوری طور پر پچھلی صدی کے آغاز سے ہو رہی ہے اور غیر شعوری طور پر روز ازل سے ہوتی چلی آرہی ہے۔ ۳۳

شان الحق حقی صاحب نے یہ بات ایک وسیع کینوس میں کہی ہے مگر یہی حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر قدیم زبان کی طرح اُردو بھی ایک قدیم زبان ہی ہے اور غیر شعوری طور پر اس میں بھی ابتدا سے ہی الفاظ اور اصطلاحات وضع کی جارہی ہیں۔ وہ روز ازل کی وضاحت ایسے کرتے ہیں کہ کسی بھی زبان کا پرلا سرا کوئی نہیں ہوتا جسے اس زبان کا نقطۂ آغاز کہا جاسکے۔ اصطلاح کی تعریف کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

> لغوی طور پر ہر وہ لفظ اصطلاح کی تعریف میں آتا ہے جو کہ اپنے اصلی نہ کہ مجازی معنی میں مستعمل ہو۔ چناں چہ ہر لفظ ایک اصطلاح ہے۔ ۳۴

الفاظ کا تعلق معاشرتی ضرورت کے ساتھ ہوتا ہے سو معاشرے کی ضرورت کے مطابق، الفاظ خود بخود بنتے چلے جاتے ہیں اور یہی صورت حال اصطلاحات کی بھی ہے۔ ایک زندہ اور ترقی یافتہ زبان میں الفاظ یا اصطلاحات وضع کرنے کے لیے ادارے بنانے کی ضرورت ان زبانوں کو پڑتی ہے جس کے بولنے والے کسی نا کسی تعصب اور تنگ نظری کا شکار ہوتے ہیں۔

شان الحق حقی کے مطابق اُردو میں باقاعدہ اور شعوری طور پر اصطلاح سازی کا عمل انیسویں صدی میں شروع ہو چکا تھا لیکن غور سے دیکھنے پر یہ عمل باقاعدہ ایک تحریک اور ادارے کی صورت میں بیسویں صدی میں شروع ہوا جب مولوی عبدالحق صاحب نے عثمانیہ یونی ورسٹی میں خدمات سرانجام دینا شروع کیں اور ان کے ایک رفیقِ کار، مولوی وحید الدین سلیم نے باقاعدہ اس کام کا بیڑا اُٹھایا۔ مولوی وحید الدین سلیم ایک محنتی اور کام کرنے والے آدمی تھے اس پر طرہ یہ کہ وہ مجموعی طور پر کسی قسم کے تعصب کا شکار نہیں تھے یعنی ناتو انگریزی سے بلاوجہ نفرت تھی کہ اس کی اُردو میں مروج، عام فہم اور آسان اصطلاحات کو دیس نکالا دے دیتے نا ہی عربی اور فارسی سے اس درجہ مرعوب تھے کہ تمام اصطلاحات کا انہی دو زبانوں میں ترجمہ کرتے جاتے۔ مولوی صاحب ایک مکمل طور پر، غیر جانب دار قسم کے محب اُردو تھے جو اُردو کو ہندوستان کے مقامی زبان سمجھتے ہوئے اُردو کی اصطلاحات میں، عام فہم اور آسان، مقامی زبانوں کے الفاظ کے استعمال کے قائل تھے۔ مولوی وحید الدین سلیم اپنی کتاب "وضع اصطلاحات" کے آغاز میں اصطلاحات کی اہمیت اور اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> اگر اصطلاحیں نہ ہوتی تو ہم علمی مطالب کے ادا کرنے میں طولِ لاطائل سے کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ جہاں ایک چھوٹے سے لفظ سے کام نکل سکتا ہے، وہاں بڑے بڑے جملے لکھنے پڑتے ہیں۔۔۔۔۔۔اصطلاحیں در حقیقت اشارے ہیں جو خیالات کے مجموعوں کی طرف فوراً ذہن کو منتقل کر دیتے ہیں۔ ۳۵

کتاب کے شروع میں وہ بھی اس عام مغالطے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو اصطلاحات کے بارے میں میں پایا جاتا ہے کہ یہ مشکل ہوتی ہیں اور عام فہم نہیں ہوتیں۔ لیکن اس کا وہ بھی بہت خوب صورت جواب دیتے ہیں کہ ایک شخص اگر کسی علم کا عالم ہے تو اس سے یہ مطالبہ بنتا ہی نہیں کہ اسے تمام علوم یا کسی بھی دوسرے علم کی تمام اصطلاحات پر عبور حاصل ہو۔ لازمی بات ہے کہ ایک شخص اگر لسانیات کا طالب علم ہے تو اس کے لیے محض انہیں اصطلاحات کا جاننا لازم ہے جو لسانیات سے متعلق ہوں گی نہ کہ ان تمام اصطلاحات کا جو اس زبان کے مختلف علوم کی ہوں گی اور وہ تمام اصطلاحات اس کے لیے اجنبی، مشکل اور نا قابل فہم ہی ہوں گی۔

اُردو میں اصطلاحات وضع کرنے کی پہلی کوشش کرنے والی کمیٹی نے جہاں انگریزی اصطلاحات کو من و عن لینے کی بجائے، انہیں اُردو میں منتقل کرنے پر زور دیا وہیں کچھ اور اصول بھی وضع لیے جن میں عربی

اور فارسی اصطلاحات کے من و عن استعمال کے متعلق اصول بھی تھے۔ اس حوالے سے اس کمیٹی میں دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ تمام اصطلاحات وضع کرنے میں ان تمام زبانوں کو شریک کیا جائے جو اُردو میں بطورِ عنصر شامل ہیں۔ یعنی عربی، فارسی، ہندی اور دیگر تمام مقامی زبانوں کے الفاظ کو اُردو اصطلاحات وضع کرنے میں استعمال کیا جائے

دونوں گروہوں نے اپنے اپنے دلائل دیے اور آخر کار اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ موخر الذکر رائے یعنی اصطلاحات وضع کرنے میں تمام زبانوں کے الفاظ کو شامل کیا جائے، ہی درست ہے اور جامعہ عثمانیہ کی دارالترجمہ کی کمیٹی نے اسی رائے کو اکثریت اور دلائل کی بنیاد پر منظور کر لیا چنانچہ مولوی وحید الدین سلیم لکھتے ہیں۔

> نہایت خوشی کی بات ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی اس کمیٹی نے جس میں دونوں گروہ کے اصحاب الرائے موجود تھے، کافی غور اور مباحثے کے بعد کثرتِ رائے سے دوسرے گروہ کے اس نظریے کو پاس کر دیا کہ اُردو زبان میں جو علمی اصطلاحیں وضع کی جائیں ان کے لیے الفاظ، عربی، فارسی اور ہندی سے بے تکلف لیے جائیں۔۳۶

یہاں ایک اور فیصلہ بھی لیا گیا جو بہت خوش آئند اور انتہائی مناسب تھا اور وہ یہ کہ الفاظ چاہے کسی بھی زبان سے لیے جائیں مگر انہیں ترتیب و ترکیب دیتے وقت اُردو زبان کی گرامر اور اُردو کے قواعد کا ہی خیال رکھا جائے گا نہ کہ ان زبانوں کا جن کے وہ الفاظ ہوں گے۔ یہ ایک نہایت عمدہ اور دور رس نتائج کا حامل فیصلہ تھا جس کا فائدہ یہ تھا کہ اس طرح وہ اصطلاحات نہ صرف یہ کہ باقاعدہ طور پر اُردو کا حصہ بن جائیں گی بلکہ ناقابلِ فہم اور غیر مانوس نہیں رہیں گی بلکہ عام فہم اور آسان ہو جائیں گی اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی تھی کہ جب یہ اصطلاحیں ان الفاظ کی اپنی زبانوں یعنی عربی، فارسی، یا ہندی کی گرامر اور قواعد کے مطابق بنائی جائیں گی تو وہ اصطلاحیں باقاعدہ طور پر اُردو کے الفاظ ہی رہیں گی۔ اس لیے ان پر اُردو زبان کی گرامر کا اطلاق ضروری تھا۔

یہ بحث صرف اصطلاحات کے حوالے سے ہی نہیں بلکہ صوتیات کے حوالے سے بھی بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں اگر ہم اُردو کی آوازوں کو رکھیں تو فی زمانہ ایک تعصب جو اُردو کے ایک خاص طبقے کی طرف سے واضح طور پر سامنے آتا ہے، اس کی دیواریں گرتی نظر آتی ہیں۔ یہ

امر صرف اُردو کے ساتھ ہی نہیں، دنیا کی ہر زبان دوسری زبان کے الفاظ اور اصطلاحات سے استفادہ کرتی ہے مگر جو بات دوسری زبانوں میں مناسب اور بہترین ہے وہ یہ ہے کہ وہ زبانیں بولنے والے جب دوسری زبانوں سے کسی زبان سے کوئی لفظ لیتے ہیں یا کوئی اصطلاح لیتے ہیں تو ان الفاظ کو اپنی زبان کے اصول اور قواعد کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ فارسی والے، انگریزی اور عربی کے الفاظ کو مفرس بنا کر انہیں بے تکلفی سے استعمال کرتے ہیں اور اسی طرح عربی والے بھی دوسری زبانوں مثلاً انگریزی اور فارسی کے الفاظ کو پہلے معرب بناتے ہیں پھر اپنے استعمال میں لاتے ہیں مگر اُردو کا ایک خاص طبقہ اس بات پر زور دیتا پایا جاتا ہے کہ دوسری زبانوں خاص کر عربی اور فارسی کے الفاظ کو انہی کے قواعد کے مطابق ہی استعمال کیا اور برتا جائے مثلاً مسجد کی جمع، اُردو قواعد کے مطابق مسجدوں یا مسجدیں بنتی ہے اور اسی طرح کتاب کی جمع کتابوں یا کتابیں مگر وہ حضرات اس بات پر زور دیے جاتے ہیں کہ ان الفاظ کی جمع، عربی قواعد کے مطابق مساجد اور کتب ہی درست ہے اور یہی جمع ہی استعمال کی جائے اور اسی طرح دوسرے بہت سارے الفاظ میں بھی ایک طبقہ مسلسل اصل زبان ہی کی گرامر اور قواعد کی پیروی پر زور دیتا نظر آتا ہے۔ بلکہ کچھ حضرات یہی تعصب انگریزی الفاظ میں بھی برتتے نظر آتے ہیں۔ یعنی ان کے مطابق سکول کی جمع سکولز، یونیورسٹی کی جمع یونی ورسٹیز اور منٹ کی جمع منٹس ہی درست اور لازمی ہے ان کے نزدیک سکولوں، یونی ورسٹیوں اور منٹوں وغیرہ ناجائز اور نامناسب کے ساتھ ساتھ نادرست جمعیں ہیں۔ یہ تعصب، زبان کی زندگی کی بجائے اس کی موت کا باعث بنتا ہے۔

جمع کی بحث تو ایک طرف، صوتیات کے حوالے سے بھی یہ تعصب بالکل اسی طرح موجود ہے۔ ایک طبقہ، اصوات کی ادائیگی میں، خاص کر عربی اصوات کی ادائیگی میں برصغیر پاک وہند کے مقامی لہجے کا خیال کیے بغیر انہیں ان کی اصل آوازوں یعنی عربی لہجے میں ادا کرنے پر شدید زور دیتا ہے۔ برصغیر پاک وہند کے لہجے میں "ح" یا "ہ" ساکن سے پہلے لفظ لفظ پر زبر آجائے تو اس کی ادائیگی مشکل ہوتی ہے۔ اس لیے، لفظ "تحقیق"، "تہذیب" "محض" اور "اہم" وغیرہ کی ابتدائی حرکت یعنی ابتدائی فتحہ یا زبر عربی ادائیگی کی طرح معروف کی بجائے قدرے مجہول ہو جاتا ہے۔ مگر اصحاب ان اور ان جیسے تمام الفاظ میں نہ صرف یہ کہ خود پہلی حرکت کو معروف کر کے ادا کرتے ہیں۔ بلکہ اسی بات پر زور دیتے ہیں کہ عام لوگ بھی انہیں معروف ہی ادا کریں۔ کچھ لوگ اگرچہ ادائیگی میں کسی حد تک اجازت دیتے ہیں مگر ان کے نزدیک جب ان حروف کو رومن رسم الخط میں لکھا جائے تو انگریزی حرف تہجی "ای" کی بجائے "اے" سے لکھا جائے۔

اُردو میں وضع اصطلاحات کے لیے بنائی جانے والی پہلی کمیٹی کے وضع اصطلاحات کے لیے بنائے جانے والے اصولوں میں سے پہلا اصول اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ یہ دونوں رویے نادرست ہیں۔ اُردو میں لیے جانے والے، دوسری کسی بھی زبان کا، کوئی بھی لفظ یا اصطلاح بالکل اُردو کی گرامر اور قواعد کے مطابق برتی جانی چاہیے بلکہ ان کا تلفظ بھی اُردو کے صوتی قوانین اور مقامی لب ولہجے کے مطابق کیا جانا چاہیے۔

اُردو میں وضع اصطلاحات کے حوالے سے بہت کچھ لکھا بھی گیا اور اسی حوالے سے بہت سے اصول اور قواعد وضوابط بھی مرتب کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ہر علم وفن کی اصطلاحات وضع بھی کی گئی ہیں۔ جہاں دوسرے تمام علوم وفنون کی اصطلاحوں پر کتب موجود ہیں وہیں لسانیات کی اصطلاحات کا بھی نا صرف اُردو میں ایک ذخیرہ موجود ہے بلکہ اس اصطلاحات کو یک جا بھی لیا گیا ہے۔ اگرچہ اُردو میں لسانیات کی اصطلاحوں کا باقاعدہ اکٹھا کرنے کا کام، پہلی مرتبہ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اپنی کتاب "اُردو لسانیات" کے ذریعے کیا جو ۱۹۶۶ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی اور یوں انہوں نے اُردو میں ان لسانیاتی اصطلاحات کے یک جا کرنے کے عمل کی داغ بیل ڈالی اور ان کے بعد مختلف ماہرین لسانیات، اپنی کتابی ضروریات کے پیشِ نظر، اصطلاحات وضع کرتے ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں پروفیسر مسعود حسین خان نے "فرہنگ اصطلاحات لسانیات" کے نام سے اُردو لسانیات کی ایک جامع اور مضبوط فرہنگ پیش کی۔ اس ضمن میں ایک اور اہم اور قابل ستائش قدم اور سنگِ میل، ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان صاحب کی کتاب "کشاف اصطلاحاتِ لسانیات" ہے جو ۱۹۹۵ء میں مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد سے شائع کی گئی۔ اس کتاب میں بہت سی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک خوبی یہ بھی تھی کہ فاضل مرتب نے مکمل کوشش کی ہے کہ ایک اصطلاح کے لیے اُردو میں اُس کا ایک ہی مترادف دیا جائے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے اپنی طرف سے کچھ نئی اصطلاحات بھی وضع کیں۔ تاکہ مختلف مفاہیم کے بیان میں جو فرق ہے اُسے خوبی اور عمدگی سے بیان کیا جا سکے۔ مثال کے طور پر "فونیم" کے لیے انہوں نے انگریزی کی یہی اصطلاح من وعن لینے کی بجائے "مہمل نطقہ" کی اصطلاح استعمال کی اور اسی کے مطابق "فونیمکس" کے لیے اُس وقت کی عام مستعمل اصطلاح "صوتیات" کی بجائے "نطقیات" استعمال کی ہے۔ جب کہ "صوتیات" کی اصطلاح انہوں نے "فونیٹکس" کے لیے استعمال کی ہے۔ جسے اُس وقت عام طور پر "علم الاصوات" کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان نے پہلی مرتبہ "فونیمکس" کے لیے "نطقیات" جب کہ "فونیٹکس" کے لیے "صوتیات" کی اصطلاح استعمال کی۔

اس سلسلے کی اگلی کڑی مشہور اور ممتاز ماہرِ لسانیات پروفیسر عامر علی خان کی کتاب "فرہنگِ اصطلاحاتِ لسانیات، انگریزی۔ اُردو" ہے۔ جس میں فاضل مدون نے ایک طرح سے ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ یہ کتاب ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی اور یہ بھی اُردو زبان کے فروغ کے لیے قائم کیے گئے موقر اِدارے مقتدرہ قومی زبان جسے اب ادارہِ فروغِ قومی زبان کہا جاتا ہے نے شائع کیا۔ اس کتاب کی اشاعت میں ممتاز محقق نقاد اور دانش ور پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ پروفیسر عامر علی خان کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> یہ فرہنگ تقریباً سات ہزار الفاظ پر مشتمل ہے۔ اور اس میں تقریباً تین ہزار ایسے الفاظ و اصطلاحات ہیں جن کا اندراج لسانیات کی موجودہ اُردو لغات میں نہیں ہے۔ اصطلاح سازی اور ترجمے کے دوران کوشش یہ رہی ہے کہ اُردو کی اصطلاح محض انگریزی کی اصطلاح کا صرف ترجمہ نہ ہو بل کہ اُس علمی مفہوم کو بھی واضح کر سکے جو اس اصطلاح کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور دوسری جانب اُردو کے مزاج سے ہم آہنگ ہو۔ ۳۷

اُردو میں لسانیات کی اصطلاحات اگرچہ ایک عرصے سے وضع اور مرتب کی جارہی ہیں مگر پھر بھی اِن اصطلاحات کے ضمن میں کافی اختلافات موجود ہیں۔ یہ اختلافات تب سے ہیں جب سے اُردو میں لسانی مطالعہ شروع ہوا اور لسانیاتی اصطلاحات وضع ہونی شروع ہوئیں اور آج تک کسی نہ کسی صورت میں چلتا چلا آرہا ہے۔ اِن اختلافات میں سے چند اختلافات درج ذیل ہیں:

۱۔ صوتیات، علم لسانیات کا ایک اہم حصہ یا ایک اہم شاخ ہے جو مجموعی طور پر بغیر کسی زبان کی تخصیص کے آوازوں کا مطالعہ کرتا ہے۔ اِس کے لیے کچھ ماہرین لسانیات صوتیات جب کہ کچھ علم الاصوات کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اِسی طرح آوازوں کے متعلقہ دوسرا اہم علم فونیمکس (Phonemics) ہے۔ اس کے لیے ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان نے اپنی کتاب "کشاف اصطلاحات لسانیات" میں "نطقیات" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ۳۸ جب کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے اپنی کتاب "عمومی لسانیات، ایک تعارف" میں اس کے لیے "صوتئیات" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

۲۔ قابلِ تقطیع آوازوں کی دو بنیادی قسمیں ہیں۔ جنہیں انگریزی میں Vowels اور Consonants کہا جاتا ہے۔ اُردو میں ایک وقت میں انہیں "حروفِ صحیح" اور "حروفِ علت" کہا جاتا تھا۔ مگر اصوات کا فہم آنے کے ساتھ یہ آوازیں "اصواتِ صحیحہ" اور "اصواتِ علت" کہلائی جانے لگی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے لیے عربی سے ایک اور اصطلاح اُٹھائی گئی اور انہیں بالترتیب "مصوتے اور مصمتے" کہا جانے لگا۔ جس پر کم و بیش تمام ماہرین لسانیت نے اتفاق کیا اور انہی اصطلاحات کو برتا جانے لگا۔ لیکن اس حوالے سے ایک اور ماہرِ لسانیات ڈاکٹر سہیل بخاری کو نظر انداز کرنا کسی صورت میں مناسب نہیں ہو گا جو اُردو کو مکمل طور پر ہندی الاصل زبان قرار دیتے ہوئے اس کی اصطلاحات میں بھی ہندی الفاظ کے استعمال پر شدت سے زور دیتے ہیں۔ چنانچہ اپنی تمام کتابوں میں انہوں نے Vowels کے لیے "سُر" جب کہ Consonants کے لیے "اسُر" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

۳۔ ایک اور اختلاف "مصمتی آوازوں" کے ایک ذیلی گروہ "مسموع اور غیر مسموع" آوازیں جنہیں انگریزی میں بالترتیب "Voice" اور "Voiceless" کہا جاتا ہے، کے نام پر ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین ان کے لیے وضع کی گئی اصطلاحات "مسموع مصمتے اور غیر مسموع مصمتے" کو یک سر رَد کرتے ہوئے اِن کے لیے وضع کی گئی ایک دوسری اصطلاح "مصیتی مصمتے اور غیر مصیتی مصمتے" کو کسی حد تک درست قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اپنی کتاب "عام لسانیات" میں وہ لکھتے ہیں:

> صوتی تاروں کے نزدیک آنے پر ارتعاش سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اُس کا اصطلاحی نام (Voice) ہے۔ صوتی تاروں کے دُور معمول کی حالت میں رہنے پر جو آوازیں پیدا ہوتی ہیں انہیں (Voiceless) کہا جاتا ہے۔ ناموں کی غیر موزونیت ظاہر ہے۔ آواز کو (Voiceless) کہنا کیا معنی۔ بہر حال ہم اس قدیمی اصلاح کو نہیں بدل سکتے۔ حیدر آباد میں اس کا ترجمہ مصیتی اور غیر مصیتی کیا گیا تھا۔ چنانچہ اُردو میں اس موضوع سے بحث کرنے والی پہلی کتاب "زبان اور علم زبان" میں اِن کے لیے یہی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔۳۹

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر گیان چند جین انگریزی اصطلاحات Voice اور Vioceless کو بھی غلط سمجھتے ہیں جو ایک لحاظ سے درست بھی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں آوازیں ہیں اور تمام مصمتی آوازوں کا ان دونوں آوازوں میں ہی تقسیم کیا جاتا ہے۔ تو ان کو Voiceless کہنا کسی بھی صورت میں درست نہیں۔ یہاں حیدرآباد سے ڈاکٹر گیان چند جین کی مُراد شاید "جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد" ہے۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ بعض حضرات اِن آوازوں کے لیے "مسموع مصمتے" اور "غیر مسموع مصمتے" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ سننے کا تعلق کان سے ہوتا ہے اور آوازوں کا یہ فرق گلے میں پیدا ہو رہا ہے۔ اس لیے ان آوازوں کو جس طرح انگریزی میں Voiceless کہنا بے تُکا ہے بالکل اِسی طرح اُردو میں "غیر مسموع" کہنا بھی بے تُکا اور بے جوڑ ہے۔ اَور اِسی طرح "غیر مصیتی" کہنا بھی ہے تو بے جوڑ لیکن یہ کسی حد تک اِس لئے بھی جائز ہے کیونکہ یہ ایک تو انگریزی اصطلاح Voiceless کا لفظی ترجمہ ہے، دوسرا یہ قدیم سے رائج ہے۔ اُن کے مطابق اِس کے لئے ایک نئی اصطلاح "غیر مسموع" گھڑنے کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا۔

۴۔ ناک سے ادا کی جانے والی آوازوں کا "انفی یا انفیائی آوازیں" کہا جاتا ہے۔ مگر ڈاکٹر سہیل بخاری نے اِن آوازوں کے لیے ہندی الاصل لفظ "ناک" کی وجہ سے "نکی آوازیں" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لسانیات زبان کی ساخت کے سائنسی مطالعہ کا نام ہے۔ اور یہ مطالعہ تفہیم، وضاحت، توجیہ اور تجزیہ جیسے بنیادی عوامل پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے وسیع مفہوم میں لسانیات ایک سماجی علم بھی ہے جو زبان کی تشکیل میں کارفرما قوانین اور اس کے ارتقا کا مطالعہ کرتا ہے۔ لسانیات کا بنیادی موضوع زبان کا غیر تاریخی یا یک زمانی مطالعہ ہے۔ لسانیات کی دو بنیادی شاخیں جن میں آوازوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے "صوتیات اور فونیمیات" کہلاتی ہیں۔ صوتیات میں زبان کی تخصیص کے بغیر مجموعی طور پر آوازوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے جبکہ فونیمیات میں کسی خاص زبان کی آوازوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اُردو میں لسانیات، صوتیات اور فونیمیات کے حوالے سے وضع کی گئی اصطلاحات بہت زیادہ اصطلاح کی طالب ہیں۔ کیونکہ اِن میں بہت زیادہ اختلافات ہیں اور تمام ماہرین لسانیات کسی ایک اصطلاح پر متفق نہیں ہیں۔

حوالہ جات: باب اوّل

۱۔ ڈیوڈ کرسٹل، لسانیات کیا ہے، (مترجم: ڈاکٹر نصیر احمد خان)، نگارشات پبلشرز، لاہور ۱۹۹۷ء، ص ۴۴

۲۔ گیان چند، پروفیسر، عام لسانیات، انجمن ترقی اُردو، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۷

۳۔ ڈیوڈ کرسٹل، لسانیات کیا ہے، (مترجم: نصیر احمد خان)، نگارشات پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۵

۴۔ محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، ہندوستانی لسانیات، پنجند اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۷ء، س ۵۸

۵۔ خلیل صدیقی، ڈاکٹر زبان کا مطالعہ، قلات پریس، کوئٹہ، ۲۰۰۱ء، ص ۲۵

۶۔ ایضاً، ص ۳۲

۷۔ گیان چند، پروفیسر، عام لسانیات، انجمن ترقی اُردو، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۳

۸۔ خلیل صدیقی، آواز شناسی، بیکن بُکس، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۴

۹۔ ڈیوڈ کرسٹل، لسانیات کیا ہے، (مترجم: ڈاکٹر نصیر احمد خان)، نگارشات پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۹

۱۰۔ ناصر عباس نیئر، ڈاکٹر، لسانیات اور تنقید، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۲۰۵

۱۱۔ خلیل صدیقی، زبان کیا ہے، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۱۴۰

۱۲۔ محمد حسین آزاد، سخندان فارس، طبع اول، حصہ اول، س ن، ص ۳۸

۱۳۔ کتابِ مقدس، کیتھولک پریس، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۱۱

۱۴۔ خلیل صدیقی، زبان کیا ہے، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۱۴۲

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۴۲

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۴۵

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۵۴

۱۸۔ ڈیوڈ کرسٹل، لسانیات کیا ہے، (مترجم: ڈاکٹر نصیر احمد خان)، نگارشات پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۵۴

۱۹۔ گیان چند، پروفیسر، عام لسانیات، انجمن ترقی اُردو، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۷

۲۰۔ اقتدار حسین، لسانیات کے بنیادی اصول، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۵ء، ص ۱۵

۲۱۔ خلیل صدیقی، آواز شناسی، بیکن بُکس، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۲۳

۲۲۔ http:// grammer.about.com, 20 May, 2017
۲۳۔ عبدالسلام،ڈاکٹر، عمومی لسانیات، رائل بک کمپنی، کراچی، ۱۹۹۳، ص۱۹
۲۴۔ جان لائنز، لینگوئج اینڈ لینگوسٹیک، نیویارک، ۱۹۹۵، ص۷۰
۲۵۔ خلیل صدیقی، آوازشناسی، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص۲۳
۲۶۔ اقتدار حسین، ڈاکٹر، لسانیات کے بنیادی اصول، علی گڑھ ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۵، ص۲۱
۲۷۔ ایضاً، ص۱۵
۲۸۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، عام لسانیات، انجمن ترقی اُردو، نئی دہلی، ۱۹۸۵، ص۲۷
۲۹۔ عبدالسلام،ڈاکٹر، عمومی لسانیات، رائل بک کمپنی، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص۹۴
30. Bloomfield, An Introduction to the study of linguistics, London, P-38, 1998
۳۱۔ گیان چند جین، پروفیسر، عام لسانیات، انجمن ترقی اُردو، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص۲۷
۳۲۔ اقتدار حسین، لسانیات کے بنیادی اصول، علی گڑھ ایجوکیشنل بک ہاؤس ۱۹۸۵، ص ۱۵
۳۳۔ شان الحق حقی، اردو میں وضع اصطلاحات، مشمولہ: اخبار اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، شمارہ ۶، ۱۹۹۱ء، ص۴
۳۴۔ ایضاً، ص۴
۳۵۔ وحید الدین سلیم، مولوی، وضعِ اصطلاحات، انجمنِ ترقی اُردو، کراچی، ۱۹۹۶، ص۶۱
۳۶۔ ایضاً، ص۶۳
۳۷۔ عامر علی خان، پروفیسر، فرہنگِ اصطلاحاتِ لسانیات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص۸
۳۸۔ الٰہی بخش اختر اعوان، ڈاکٹر، کشاف اصطلاحاتِ لسانیات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، ص۱۶۳
۳۹۔ گیان چند جین، پروفیسر، عام لسانیات، انجمنِ ترقی اردو، نئی نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص۳۷

دوسرا باب: قطعاتی/کسری صوتیے (Segmental Phonemes)

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ صوتیات اور فونیمیات دونوں علوم کا تعلق ان آوازوں کے مطالعے سے ہے جو انسانی اعضائے تکلم ادا کر سکتے ہیں فرق یہ ہے کہ صوتیات میں مجموعی طور پر ان تمام آوازوں کا مطالعہ کیا جاتا جو انسانی اعضائے تکلم ادا کر سکتے ہیں۔اسی میں کسی خاص زبان کی تخصیص ہوتی نہیں جب کہ کسی خاص زبان میں موجود اصوات کا مطالعہ کرنے کا نام فونیمیات ہے۔ان ناموں پر ماہرین لسانیات کے اختلافات کا ذکر بھی سابقہ باب میں کیا جا چکا ہے۔

صوتیات میں آواز کی سب سے چھوٹی اکائی کو "صوت رکن" کہا جاتا ہے جیسے انگریزی (syllable) کہا جاتا ہے جب کہ فونیمیات کی اکائی کو صوتیہ کہا جاتا ہے جسے انگریزی میں فونیمکس (Phonemics) کی مناسبت سے فونیم (Phoneme) کہا جاتا ہے۔صوتیے یا فونیم (Phoneme) دو طرح کے ہوتے ہیں۔

ایک وہ جن کی تقطیع کی جا سکتی ہے یعنی انہیں چھوٹے چھوٹے صوتی ٹکڑوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے انہیں "قطعاتی صوتیے" اور "کسری صوتیے" کا نام دیا جاتا ہے۔انگریزی میں انہیں سیگمینٹل فونیمز (Segmental Phonemes) کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم کے صوتیے یا فونیمز (Phonemes) وہ ہوتے ہیں جن کی تقطیع ممکن نہیں ہوتی۔یہ دراصل آواز کی چند خصوصیات ہوتی ہیں۔انہیں "فوق قطعاتی صوتیے" اور "بالا کسری صوتیے" کہا جاتا ہے جب کہ انگریزی میں انہیں سُپرا سیگمینٹل فونیم (Supra segmental Phonemes) کہا جاتا ہے۔

زیرِ نظر باب میں قطعاتی صوتیوں /کسری صوتیوں یا سگمیٹل فونیموں (Segmental Phoneme) کے حوالے سے بحث کی جائے گی۔

عام طور پر تمام ماہرینِ لسانیات نے قطعاتی یا کسری صوتیوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ مصوتے جنہیں انگریزی میں واولز (Vowels) کہا جاتا ہے

۲۔ مصمتے جنہیں انگریزی میں کانسونٹس (Consonants) کہا جاتا ہے لیکن ڈاکٹر سہیل بخاری نے اپنے صرف ایک مضمون میں ان کی چار اقسام بیان کی ہیں

۱۔ مصوتے جن کے لیے ڈاکٹر صاحب "سُر" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں

۲۔ مصمتے جن کے لیے وہ "اسر" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں

۳۔ غنہ

۴۔ ہمزہ(ا)

واضح رہے کہ ڈاکٹر سہیل بخاری کے ہاں بھی سوائے اس ایک مضمون کے اور کہیں بھی اس طرح کی کوئی بات نہیں ملتی۔ اس مضمون کے علاوہ انہوں نے ہر جگہ وہی دو اقسام گنی ہیں جو دوسرے ماہرین لسانیات نے بیان کی ہیں اور اپنے مضمون میں بھی انہوں نے ان دونوں اضافی اقسام کو مصمتوں / اسروں میں ہی شمار کیا ہے۔ اس ایک اختلاف کے علاوہ بھی بہت سارے ماہرین لسانیات نے ہمزہ اور نون غنہ کے حوالے سے مباحث چھیڑے ہیں لیکن کسی نے بھی انہیں آواز کی بنیادی قسم میں شمار نہیں کیا بلکہ مصمتوں میں ہی شمار کیا ہے اس سے ہم قطعاتی یا کسری صوتیوں کو انہی دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں اور ان سے بحث کریں گے:

ا۔ مصوتے یا اصواتِ علت (Vowels)

۲۔ مصمتے یا اصواتِ صحیحہ (Consonants)

ذیل میں ان دونوں کے حوالے سے اردو میں کی جانے والی تحقیق کا جائزہ لیا جائے گا۔

ا۔ مصوتے یا اصواتِ علت:۔(Vowels)

تقریباً تمام ماہرین لسانیات نے ان آوازوں کے لیے "مصوتے" کی اصطلاح ہی استعمال کی ہے اور بعض نے "مصوتے" کے ساتھ ساتھ اصواتِ علت کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔ ایک عام مغالطہ "حروفِ علت" کے حوالے سے بھی پایا جاتا ہے مگر وہ ایک مغالطہ ہی ہے کیوں کہ حروف ان علامتوں کو کہا جاتا ہے جو ان اصوات کی نمائندگی کے لیے استعمال ہوتے ہیں نا کہ ان آوازوں کو۔ اس لیے ان آوازوں کو "مصوتے" کے علاوہ "اصواتِ علت" کہنا درست ہو گا لیکن "حروفِ علت" ان علامتوں کو تو کہا جائے گا جو ان کی نمائندگی کرتی ہیں مگر ان آوازوں کو ہر گز نہیں۔

ایک اور اصطلاح جو ان کے لیے استعمال ہوتی ہے وہ صرف ڈاکٹر سہیل بخاری کے ہاں ہی ملتی ہے۔ انہوں نے ان کے لیے خالص ہندی الاصل لفظ "سُر" کو بطورِ اصطلاح استعمال کیا ہے۔

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ آوازوں کی ادائیگی کے لیے انسانی جسم میں ایک پورا نظام موجود ہے جس میں بہت سے اعضاء شامل ہیں۔ یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ یہ تمام اعضاء بنیادی طور پر اعضاءِ صوت نہیں مگر فطرتاً ان کا تعلق اصوات سے جڑا ہوا ہے اور وہ اپنے تمام افعال کے ساتھ ساتھ آوازوں کی

ادائیگی میں بھی مدو معاون ثابت ہوتے ہیں اس لیے انہیں اعضائے صوت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اعضاء پیٹ سے شروع ہو کر منہ تک کے حصے پہ مشتمل ہیں جن میں سانس کی نالی بھی شامل ہے۔

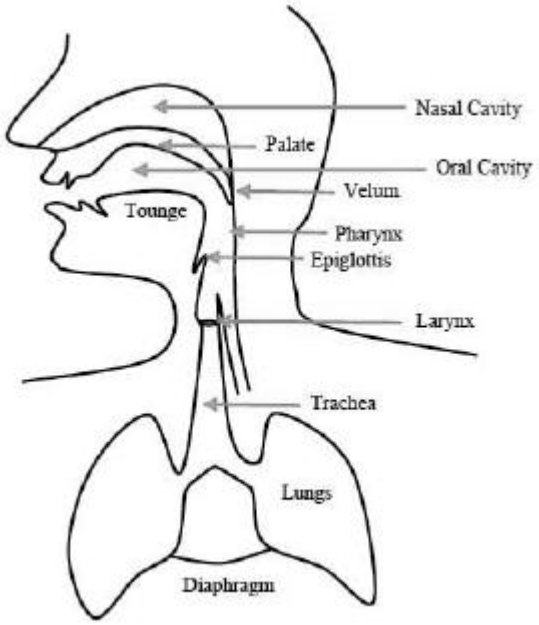

آواز کی ادائیگی میں ان اعضاء کے ساتھ ساتھ سانس کا بھی بنیادی کام ہوتا ہے۔ ان تمام اعضاء کے مختلف مقامات پر سانس کو روک کر مختلف آوزیں پیدا کی جاتی ہیں۔ لیکن کچھ آوازیں ایسی ہوتی ہیں جن کی ادائیگی میں سانس کو کسی بھی قسم کی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ وہ آوازیں سانس کے راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ کے بغیر ادا ہوتی ہیں۔ انہی آوازوں کو "مصوتے"، "اصواتِ علت" یا "سُر" کہا جاتا ہے۔

مصوتے ہر زبان میں موجود ہوتے ہیں اور کوئی زبان ان سے خالی نہیں ہوتی بلکہ کوئی بھی زبان، مصوتوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، مصوتوں کے بغیر کسی بھی زبان کے الفاظ کا ڈھانچہ کھڑا کرنا ممکن نہیں ہے۔ مصوتوں کا کسی زبان میں وہی مقام ہے جو انسانی جسم میں ہڈیوں کا ہوتا ہے اور ہڈیوں میں جوڑوں کا ہوتا ہے۔ جو ہڈیوں کو ایک دوسرے سے ملاتے ہیں۔ جس طرح ہڈیوں کے بغیر جسم کی ساخت و حرکت اور جوڑوں کے بغیر ہڈیوں کی ساخت و حرکت نامکمل ہے ویسے ہی مصوتوں کے بغیر زبان اور اس کے الفاظ کی ساخت اور ادائیگی نامکمل ہے۔

مصوتے چوں کہ دنیا کی ہر زبان میں موجود ہوتے ہیں اس لیے ان کا مطالعہ صرف فونیمیات کا موضوع ہی نہیں بلکہ صوتیات کا بھی ہے۔ صوتیات میں بھی مصوتوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے مگر اس میں مجموعی

طور پر ان تمام مصوتوں کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے جب کہ فونیمیات میں کسی خاص زبان میں موجود مصوتوں سے بحث کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اپنے ایک مضمون میں مصوتوں کی اردو کی درجہ بندی کا طریقہء کار بتاتے ہیں۔ان کے مطابق مصوتوں کی خصوصیات کو مدِ نظر رکھ کر ان کی درجہ بندی کی جاتی ہے:

ا۔ مصوتوں کی ادائیگی میں زبان کا کون سا حصہ مخرج کی طرف اُٹھ رہا ہے۔

۲۔ مصوتوں کی ادائیگی میں زبان کتنی اونچی اٹھی ہے۔

۳۔ مصوتوں کی ادائیگی میں ہونٹوں کی کیا حالت تھی۔۲

مصوتوں کی ادائیگی میں زبان کا اگلا حصہ یا نوک درمیانی حصہ اور پچھلا حصہ یا جڑ، تالو کے مختلف حصوں کی طرف اُٹھتا ہے اس خصوصیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مصوتوں کو اگلے مصوتے (Front Vowels) درمیانی مصوتے (Central Vowels) اور پچھلے مصوتے (Back Vowels) میں تقسیم کیا گیا ہے۔

دوسری خصوصیت یہ دیکھی جاتی ہے کہ زبان کس قدر اونچائی تک اوپر اٹھی ہے۔یہاں ایک بات کا بیان ضروری ہے کہ مصوتوں کی ادائیگی میں زبان تالو کی طرف اٹھتی ضرور ہے مگر تالو سے ٹکراتی ہر گز نہیں کیوں کہ اگر تالو سے ٹکرا جائے تو جو آواز پیدا ہو گی وہ مصوتہ نہیں بلکہ مصمتہ ہو گی اس لیے مصوتوں کی ادائیگی میں زبان جتنی بھی اوپر اٹھے، تالو سے نسبتاً نیچے ہی رہتی ہے۔اس خصوصیت کو سامنے رکھ کر مصوتوں کو مزید اقسام میں منقسم کیا گیا ہے مثلاً اگر زبان کی نوک تھوڑا سا اوپر اٹھتی ہے تو اس صورت میں پیدا ہونے والے مصوتے کو نچلا مصوتہ (Low From Vowel) کہیں گے اور اگر زبان کی نوک درمیانی ہو کر اوپر اُٹھے تو ایسی صورت میں پیدا ہونے والے مصوتے کو درمیانی اگلا مصوتہ (Mid Front Vowel) کہیں گے اور اگر زبان تالو سے کچھ نیچے تک یعنی اپنی پوری ممکنہ بلندی تک اٹھالی جائے تو ایسی صورت میں جو مصوتہ ادا ہو گا اسے اونچا اگلا مصوتہ (High Front Vowel) کہیں گے۔انہی اصولوں اور خصوصیات کی روشنی میں پچھلے مصوتوں (Back Vowels) کی درجہ بندی بھی کی گئی ہے۔

تیسری خصوصیت ہے مصوتوں کی ادائیگی میں ہونٹوں کی کیا حالت ہوتی ہے۔بعض مصوتوں کو ادا کرتے وقت ہونٹ گول ہو جاتے ہیں جب کہ بعض میں ہونٹ بالکل سیدھے رہتے ہیں۔وہ مصوتے جن کی ادائیگی میں ہونٹ گول ہو جاتے ہیں انہیں مدور مصوتے (Rounded Vowels) کہا جاتا ہے جبکہ جب کی

ادائیگی میں ہونٹ سیدھے رہتے ہیں انہیں غیر مدور مصوتے (Unrounded Vowels) کہا جاتا ہے۔ مدور اور غیر مدور میں پہلی دو خصوصیات بھی سامنے رکھنی پڑتی ہیں اور ان کے مطابق اگلے مدور پچھلے مدور وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔

ان خصوصیات کو سامنے رکھتے ہوئے مصوتوں کی درجہ بندی کرتے ہوئے Bloch اور Trager نے مصوتوں کی بیالیس (۴۲) قسمیں بیان کی ہیں جو خیالی نہیں بلکہ دنیا کی تمام اہم زبانوں کے مصوتوں کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔ ۳

شرف الدین اصلاحی نے بھی اپنی کتاب "اردو اور سندھی کے لسانی روابط" میں مصوتوں خاص کر اردو مصوتوں کے حوالے سے ایک طویل بحث چھیڑی ہے (۴) مگر چوں کہ ان کا بنیادی مقصد اور مطمع نظر اردو اور سندھی کی مشترک آوازوں کا مطالعہ تھا ان کی تمام بحث صرف مشترک مصوتوں کے گرد ہی گھومتی ہے اور انہوں نے ان کی تعداد یا مخارج کے حوالے سے اگر کوئی بات کی بھی ہے تو وہ بس اسی قدر ہے کہ اردو کے مصوتوں میں جس طرح خاص حالات میں غنیت یا انفیت در آتی ہے۔ بعینہ یہی خصوصیت سندھی کے مصوتوں میں بھی موجود ہے۔ ۵

ڈاکٹر سہیل بخاری کے مطابق دنیا کی تمام زبانوں میں کُل ملا کر چوبیس مصوتے، جن کے لیے وہ سُر کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، پائے جاتے ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

۱۔ سات سادہ مختصر سُر (مصوتے)

۲۔ سات سادہ طویل سُر (مصوتے)

۳۔ پانچ نکی (انفی) مختصر سُر (مصوتے)

۴۔ پانچ نکی (انفی) طویل سُر (مصوتے) ۶

ڈاکٹر سہیل بخاری چوں کہ اردو کو ایک مکمل ہندوستانی الاصل زبان سمجھتے ہیں اس لیے ان کے ہاں اس کی اصطلاحات بھی زیادہ تر مقامی الفاظ سے بنی ہوئی ملتی ہیں مثلاً "سُر" اور "نکی سُر" وغیرہ۔

ڈاکٹر صاحب کے مطابق اردو اور اس کی معاصر تمام زبانوں میں یہ جو بیس کے چوبیس سر یا مصوتے اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ موجود ہوتے ہیں مگر ان زبانوں کے رسم الخط میں ان کے لیے علامات مکمل طور پر موجود نہیں اس لیے ان زبانوں کے تولنے والے اس سروں / مصوتوں کو اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ ۷

خلیل صدیقی نے اپنی کتاب "زبان کا ارتقا" میں بھی مصوتوں کی ادائیگی میں زبان کی حالت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مصوتوں کی درجہ بندی کی ہے۔ ان کے مطابق کچھ مصوتے زبان کی نوک کے سخت تالو کی طرف اٹھنے کی صورت میں ادا ہوتے ہیں جیسے اردو کا مصوتہ "ی"۔ کچھ مصوتے، زبان کے پچھلے حصے کے نرم تالو کی طرف اٹھنے سے ادا ہوتے ہیں مثلاً اردو کا مصوتہ "و"۔ جب کہ کچھ مصوتے زبان کے درمیانی حصے کے تالو کی طرف اٹھنے سے وجود میں آتے ہیں مثلاً اردو کا مصوتہ "ا"۔ ان تمام خصوصیات کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے مصوتوں کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

۱۔ پیش مصوتے (Back Vowels)

۲۔ پسیں مصوتے (Front Vowels)

۳۔ مخلوط مصوتے (Central Vowels)۸

زیرِ نظر کتاب میں شاید مصنف کا مطمع نظر چوں کہ صرف زبان کے ارتقا کا جائزہ لینا تھا اس لیے انہوں نے آوازوں کے حوالے سے سرسری بحث ہی کی ہے اور اس کی کوئی خاص تفصیل بیان نہیں کی ہے۔

ڈاکٹر اقتدار حسین خان نے اپنی کتاب "لسانیات کے بنیادی اصول" میں مصوتوں کی درجہ بندی کے اصول نسبتاً تفصیل سے بیان کیے ہیں لیکن انہوں نے بھی مصوتون کی درجہ بندی کے لیے وہی خصوصیات بیان کی ہیں جو کہ گوپی چند نارنگ نے اپنے مضمون "اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو" میں بیان کی ہیں یعنی

۱۔ مصوتوں کی ادائیگی میں زبان کتنی اونچائی تک اٹھتی ہے۔

۲۔ مصوتوں کی ادائیگی میں زبان کا کون سا حصہ اٹھتا ہے۔

۳۔ مصوتوں کی ادائیگی میں ہونٹوں کی کیا حالت ہوتی ہے۔۹

ان تینوں حالتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انہوں نے ڈینیئل جونز کے تتبع میں آٹھ معیاری مصوتے اور ان کے طریقہء ادا بیان کیے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ مصوتے کسی خاص زبان کے نہیں بلکہ عمومی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق ان آٹھ اصل معیاری مصوتوں کے علاوہ سات ثانوی معیاری مصوتے بھی ہیں اور مختلف زبانوں میں ان مصوتوں میں سے بعض میں انفیت بھی پیدا ہو جاتی ہے یوں ہر زبان میں ان کی تعداد مختلف ہوتی ہے (۱۰)۔ یہ مضمون ان کی کتاب "صوتیات اور فونیمیات" کا حصہ بھی ہے۔

آگے چل کر فونیمیات کے ذیل میں وہ اُردو کے مصوتوں پہ بحث کرتے ہیں۔ ان کے مطابق اُردو میں صرف آٹھ مصوتے ہیں۔ انہوں نے ان مصوتوں کا ایک خاکہ بھی پیش کیا اور ان آٹھ مصوتوں کی چند مثالیں بھی پیش کیں جن کے مطابق یہ مصوتے سامنے آتے ہیں۔

۱۔ ای

۲۔ آ

۳۔ اے

۴۔ ـَ

۵۔ اَ

۶۔ او

۷۔ ـُ

۸۔ اُو ۱۱

چوتھے نمبر والے مصوتے کی انہوں نے دو حالتیں بیان کی ہیں۔ ایک وہ جو بیان کی جا چکی ہے اور دوسری وہ جسے مجہول زیر (ـ) کہا جا سکتا ہے یعنی زیر (ـِ) کی وہ آواز جو "محبت" اور "شہر" میں موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایک قابلِ ماہر لسانیت ہیں مگر اس بات پہ حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے دو اہم مصوتوں "اَو" اور "اَے" کو نظر انداز کر دیا جو کئی الفاظ میں موجود ہیں اور ان کی کئی مثالیں مل سکتی ہیں مثلاً اولا الذکر کی مثالیں۔ اَور، طَور، جَور وغیرہ اور ثانی الذکر کی مثالیں، مَیں، مَیل، بَیل وغیرہ۔ اِسی طرح انہوں نے "محنت" میں موجود مجہول زیر (ـِ) کو تو تلاش کر لیا مگر "تہذیب" اور "تحقیق" میں موجود مجہول زبر (ـَ) بھی ان کی نگاہوں سے مخفی رہی اس کے علاوہ انہوں نے زیر نظر کتاب میں انفی مصوتوں کا بھی قطعی ذکر نہیں کیا۔

نصیر احمد خان نے اپنی کتاب "اُردو ساخت کے بنیادی عناصر" میں اُردو فونیمیات کے ذیل میں اُردو کے دس مصوتے بیان کیے ہیں۔(۱۲)۔ اور انہوں نے بھی مصوتوں کو طریقۂ ادا کی انہی خصوصیات کو سامنے رکھ کر تقسیم کیا ہے۔(۱۳)

ہونٹوں کی حالت زبان کے مختلف حصے زبان کے مختلف اٹھان	غیر مدور	مدور	
	اگلا	درمیان	پچھلا
بالائی نچلا بالائی وسطی نچلا وسطی نچلا	ی زیر(ـِ) ے اَے	 زَبر(ـَ) ا	و پیش(ـُ) او اَو

اسی طرح آگے چل کر وہ ان میں انفیت کا ذِکر بھی کرتے ہیں با قاعدہ طور پر مثالوں سے ثابت بھی کرتے ہیں ۱۴۔ لیکن مصوتوں کی تعداد صرف دس ہی گنی ہے۔ وہ انفیت کو ایک فوق قطعاتی یا بالاکسری خصوصیت کے طور پر بیان کرتے ہیں نا کہ ان مصوتوں کو الگ سے مصوتوں میں شمار کرتے ہیں مگر دیگر ماہرینِ لسانیات ان مصوتوں کو الگ مصوتے گنتے ہیں۔

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے "اردو کا صوتی نظام" کے عنوان سے دو مضامین لکھے ہیں جن میں سے ایک مضمون ان کی کتاب "ادب و لسانیات" کا حصہ ہے جسے سید روح الامین نے اپنی کتاب "اردو لسانیات کے زاویے" میں شامل کیا ہے جب کہ دوسرا مضمون نسبتاً طویل مضمون ان کی کتاب "جامع القواعد۔ حصہ صرف" میں شامل ہے۔ اگرچہ ان دونوں مضامین میں بہت سے معاملات پر اختلاف پایا جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اول الذکر مضمون ان کی ابتدائی تحقیق پر مشتمل ہے جبکہ ثانی الذکر بعد کی تحقیق پر لیکن انہوں نے ان دونوں مضامین میں کہیں اس طرح کا کوئی اشارہ نہیں کہ جس سے یہ پتا چلے کہ ایک مضمون سے ان کی ابتدائی تحقیقات کا نتیجہ ہے جب کہ دوسرا بعد کی تحقیق پر مشتمل ہے اس لیے ان دونوں میں کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں۔

بہر حال، تمام اختلافات کے باوجود، مصوتوں کی تعداد پر دونوں مضامین میں کوئی اختلاف نہیں اور دونوں میں طریقہء ادا بھی بیان کیا گیا ہے اور دس سادہ اور دس انفی مصوتے ملا کر اردو میں کل بیس مصوتے پائے گئے ہیں۔ ۱۵

ڈاکٹر سہیل بخاری نے اردو میں مصوتوں جن کے لیے وہ "سُر" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں کی تعداد چوبیس (۲۴) ثابت کی ہے۔ جن میں چودہ (۱۴) سادہ جب کہ دس (۱۰) انفی جس کے لیے وہ "نکی سُر" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، شامل ہیں۔ کتاب، "اردو کی کہانی" میں ان کے پیش کیے گئے جدول سے اندازہ ہو رہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے پیش کردہ سادہ مصوتوں / سروں میں سے دس (۱۰) تو وہی ہیں جن پر کم و بیش تمام ماہر لسانیات کا اتفاق ہے مگر چار ایسے ہیں جو مختلف ہیں اور وہ "ان کی چھوٹی آواز، اوَ کی چھوٹی آواز، اَے کی چھوٹی آواز اور اَو کی چھوٹی آواز" شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی انہوں نے مثالیں پیش کی ہیں جو حسبِ ذیل ہیں۔

چِر، تِر، چِھل

ٹک، چَک، سَکھ

کہ، یہَ، پہل

بہت، چہل ۱۶

یہ چاروں مصوتے پہلے چار مصوتوں سے اس قدر متماثل ہیں کہ ان کے درمیان فرق کرنا، عام طور پر ممکن نہیں ہے سو شاید باقی ماہرین لسانیات نے انہیں ان سے الگ کرنا مناسب نہ سمجھا ہو یا دوسری بات پر بھی ہو سکتی ہے یہ در حقیقت الگ مصوتے ہوں ہی نہ بلکہ ڈاکٹر صاحب نے محض اپنے خیال اور چند افراد کے تلفظ کی بنیاد پر ان کو الگ مصوتے / سُر قرار دے دیا ہو۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری نے بھی اپنی کتاب "اُردو لسانیات" میں مصوتوں کے حوالے سے بحث کی ہے اور انہوں نے مختلف زبانوں کے مصوتوں کے مخارج اور طریقۂ ادا سامنے رکھتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ مصوتے مخارج کی مدد کے بغیر ادا کیے جاتے ہیں۔ (۱۷) اِسی طرح انہوں نے اصوات علت یا مصوتوں کا جائزہ لیتے ہوئے ایک اور بات بھی یہ بیان کی ہے کہ بنیادی طور پر تین حرکتیں یعنی زبر (ـَ)، زیر (ـِ) اور پیش (ـُ) ہی ہیں۔ جن کی ترکیب و تالیف سے علتیں یا مصوتے بنتے ہیں۔ یعنی زبر (ـَ) جب الفاظ سے پہلے آتی ہے تو "اَ" کا طویل مصوت یا علت وجود میں آتی ہے۔ اِسی طرح پیش (ـُ) جب "واؤ" سے پہلے آتی ہے تو "اُو" کا طویل مصوتہ یا علت وجود میں آتی ہے اور اِسی طرح باقی مصوتے یا علتیں بھی انہی حرکات کی ترکیب و تالیف کے وجود میں آتے ہیں۔ ۱۸

ڈاکٹر شوکت سبزواری کی اس بات کی وضاحت خلیل صدیقی کی کتاب "آواز شناسی" سے بھی ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب در حقیقت ان کی ذاتی تحقیق نہیں بلکہ دنیا بھر میں صوتیات اور فونیمیات کے حوالے سے کی گئی تحقیق کا نچوڑ ہے۔ اسی کتاب میں انہوں نے مختلف زبانوں میں صوتیاتی اور فونیمیاتی تحقیق کو اکٹھا کیا ہے۔ چنانچہ "مصوتی آوازیں" کے عنوان کے ذیل میں انہوں نے بتایا کہ شروع میں تیسری اور چوتھی صدی قبل مسیح میں سنسکرت کے بارے میں یہی تاثر پایا جاتا تھا کہ اس کے بنیادی مصوتے تین(۳) ہی ہیں اور باقی مصوتے انہی سے مشتق ہیں اور اسی اصول کی بنا پر انیسویں صدی کے کچھ ماہرین لسانیات نے بھی قدیم ہند نے بھی اس کے بنیادی مصوتے تین ہی بتائے ہیں اور تقریباً صورت یہی حال عربی کا بھی یہی ہے۔۱۹

خلیل صدیقی صاحب نے بھی نقطۂ ادا اور طریقِ ادا کو مد نظر رکھتے ہوئے مصوتوں کی درجہ بندی کی ہے۔ یعنی زبان کی اٹھان اور ہونٹوں کی حالت وغیرہ ان سب چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے، مختلف ماہرینِ لسانیات کی آرا اور اُن کی وضع کردہ اصطلاحات کی روشنی میں انہوں نے ایک "سہ اصطلاحی" لیبل کا نظام وضع کیا۔

۱۔ بند(Close)/ کھلے(Open) یا ترفیعی(High)/ تنزیلی(Low)

۲۔ پچھلے یا پَس(Back)/ اگلے یا پیش(Front)

۳۔ مدور(Rounded)/ غیر مدور(Unrounded)

اس کے علاوہ انہوں نے بھی ڈاکٹر اِقتدار حسین کی طرح ڈینیل جونز کی اتباع میں آٹھ بنیادی مصوتوں(Cardinal Vowels) کا نظام پیش کیا ہے اور اس نظام کی خصوصیات بھی بیان کی ہیں جن کے مطابق ان بنیادی مصوتوں کا تعلق کسی خاص زبان سے نہیں بلکہ یہ محض توضیحی اور تشریحی وسیلے ہیں اور اس نظام کو سامنے رکھ کر کسی بھی زبان کے مصوتوں کا تعین اور ان کی وضاحت کی جاسکتی ہے مگر یہ ایک تکنیکی کام ہے۔۲۰

ڈاکٹر اقتدار حسین اور خلیل صدیقی کے علاوہ پروفیسر گیان چند جین کے ہاں بھی مصوتوں کے حوالے سے ڈینئل جونز کا تتبع ہی پایا جاتا ہے اور پروفیسر گیان چند جین نے بھی اپنی کتاب "عام لسانیات" میں صوتیات کی ذیل میں آٹھ(۸) بنیادی اور سات(۷) ثانوی بنیادی مصوتوں کا نظام ہی بیان کیا ہے۔۲۱

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے بھی اپنے دو مضامین "اُردو آوازوں کی نئی درجہ بندی" اور "اُردو مصوتوں کی نئی درجہ بندی میں آواز اور لہجے کی بارہ بنیادی (۱۲) امتیازی خصوصیات بیان کی ہیں اور پھر ان خصوصیات کی

روشنی میں اُردو کی آوازوں یعنی اُردو مصوتوں اور مصوتوں پر ایک عمدہ بحث کی ہے۔ ان کے مطابق آوازوں میں مجموعی طور پر بارہ (۱۲) امتیازی خصوسیات ہوتی ہیں جن میں سے نو (۹) خصوصیات کا تعلق آواز سے جب کہ تین کا تعلق لہجے سے ہوتا ہے۔ ان خصوصیات کی فہرست ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ آواز کی خصوصیات (Sonority Features)

۲۔ مصوتی / غیر مصوتی (Vocalic/Non-Vocalic)

۳۔ مصمتی / غیر مصمتی (Consonantal/Non-Consonantal)

۴۔ پیوست / منتشر (Compact/Diffuse)

۵۔ زور دار / کم زور (Tense/Lax)

۶۔ مسموع / غیر مسموع (Voiced/Voiceless)

۷۔ انفی / دھانی (Nasal/Oral)

۸۔ مسلسل / رکاوٹ دار (Continuant/Discontinuous)

۹۔ سخت / نرم (Strident/Mellow)

۱۰۔ منقطع / غیر منطقع (Checked/Un-checked)

۱۱۔ لہجے کی خصوصیات (Tonality Features)

۱۲۔ گمبھیر / تیکھی (Grave/Acute)

۱۳۔ سپاٹ / غیر سپاٹ (Flat/Plain)

۱۴۔ تیز / کند (Sharp/Plain)

ان بارہ امتیازی خصوصیات میں سے اُردو آوازوں کی درجہ بندی کے لیے دس ہی کام میں آتی ہیں جن میں سے صرف چار ہی مصوتوں کی درجہ بندی کے لیے کام آتی ہیں۔ وہ چار درج ذیل ہیں۔۲۱

۱۔ مصوتی / غیر مصوتی (Vocalic/Non-Vocalic)

۲۔ پیوست / منتشر (Compact/Diffuse)

۳۔ زور دار / کم زور (Tense/Lax)

۴۔ گمبھیر / تیکھی (Grave/Acute)

ان چاروں خصوصیات کی روشنی میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اردو مصوتوں کی ایک نئی درجہ بندی کی ہے اس میں انہوں نے مختلف چارٹس کے ذریعے مصوتوں کے صوتی تواتر (Formant Frequencies) اور ان کا زمانی وقفہ (Duration) فی سیکنڈ بھی ظاہر کیا ہے۔ کچھ اسی قسم کا جائزہ ڈاکٹر گیان چند جین کی کتاب "عام لسانیات" میں بھی موجود ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام نے اپنی کتاب "عمومی لسانیات ایک تعارف" میں صوتیات کے ذیل میں مصوتوں کے باب میں ڈینئل جونز کے تتبع میں آٹھ (۸) بنیادی اور سات (۷) ثانوی بنیادی مصوتوں کا مظام بیان کیا ہے (۲۳) اس طرح انہوں نے فونولوجی یا صوتیائیات کے ذیل میں اردو میں مسوتوں کی تعداد آٹھ بیان کی ہے جب کہ ان کے مطابق ان مصوتوں میں سے بیشتر مصوتوں میں انفیت بھی پائی جاتی ہے۔ ۲۴

صوتیات، خاص کر اردو صوتیات یا اردو کے صوتی نظام کے حوالے سے ڈاکٹر محبوب عالم خان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کی کتاب "اردو کا صوتی نظام" آپ اپنی حوالہ ہے۔ یہ کتاب ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جو بعد میں کتابی صورت میں مظرِ عام پر آیا۔ اس کتاب میں انہوں نے اردو کے صوتی نظام کا ایک مفصل جائزہ پیش کیا ہے اور اردو کی آوازوں کا ایک تفصیلی نظام پیش کیا ہے۔

کتاب کا دوسرا باب مصوتوں کے حوالے سے ہے جس میں انہوں نے اردو میں بنیادی مصوتوں (Basic Vowels) کی تعداد دس بتائی ہے۔ (۲۵) انہوں نے بھی مصوتوں کی درجہ بندی کے لیے زبان اور ہونٹوں کی حالت کو مدِ نظر رکھا ہے اور انہی خصوصیات کی روشنی میں مصوتوں کی درجہ بندی کی ہے۔ دوسرے تمام مضامین اور کتب کی بہ نسبت ڈاکٹر محبوب عالم خان نے بہت سادگی اور عام فہم انداز میں اردو مصوتوں کی وضاحت کی ہے بلکہ ہر مصوتے کی موجودگی دلیل کے طور پر اقلی تخالفی جوڑا بھی پیش کیا ہے اسی طرح ہر مصوتے کی علیحدہ سے وضاحت بھی پیش کی اور اس کے نقطہ ءادا اور طریق ادا کو تصویری خاکوں کی مدد سے بھی پیش کیا اس کے ساتھ ساتھ، اردو کلمات میں اس مصوتے کے لیے ممکن مقامات کے ساتھ، مختلف زبانوں میں اس کے پائے جانے کے امکان پر بھی روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر محبوب عالم خان صاحب کے بیان لیے گئے مصوتے درج ذیل ہیں۔

۱۔ اِی	۶۔ ـَ
۲۔ ـِ	۷۔ اُو
۳۔ اے	۸۔ ـُ

۴۔اَے ۹۔او

۵۔ا ۱۰۔اَو

ڈاکٹر محبوب عالم خان کے مطابق ان تمام مصوتوں میں انفیت بھی پائی جاتی ہے یعنی ان کو انفیایا بھی کہا جاسکتا ہے۔ اور تخالف و تضاد کے اصول کے تحت ان تمام مصوتوں کے انفی مصوتے نہیں یعنی ان کا استعمال کم ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ مصوتے عام طور پر کلمے کے آخر یا درمیان میں ہی آتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے انفیائی مصوتوں کی ایک اور قسم بھی بیان کی ہے جسے "غیر ممیز ثانوی انفیائی مصوتے" کا نام دیا ہے۔ یہ وہ مصوتے ہوتے ہیں جو کسی خاص لسانی ماحول کے تحت انفیا جاتے ہیں۔۲۶

باقی تمام ماہرین لسانیات کے برعکس ڈاکٹر محبوب عالم خان نے "انفیائی مصوتے" کی اصطلاح استعمال کی ہے جب کہ دوسرے تمام ماہرینِ لسانیات کے ہاں "انفی مصوتے" کی اصطلاح ملتی ہے۔

ان کتب اور مضامین کے علاوہ، اردو کے فروغ کے لیے قائم کیے گئے ادارے، مقتدرہ قومی زبان کے شمارے "اخبارِ اردو" میں صوتیات کے حوالے سے ایک خاص نمبر نکالا گیا جس میں فاؤسٹ یونی ورسٹی کے کچھ طلبا کی اردو کی مختلف آوازوں کے حوالے سے کی گئی تحقیق شائع کی گئی۔ اس شمارے میں شائع کیے گئے مضامین کا ایک جائزہ حسبِ ذیل ہے۔

ایک مقالے کا عنوان "بندشی مصوتے میں تغیر کی مقرر پر منحصر معلومات" اس کے مقالہ نگار احمد عبدالرحمان اور سلمان بشیر اعوان ہیں۔ یہ مقالہ اور اس میں موجود تحقیق کا مقصد یہ تھا کہ اس بات کی تصدیق کی جاسکے کہ بندشی مصمتے سے جب مصوتے میں داخل ہوا جاتا ہے تو اس دوران کیا ادوار ثانیہ کے تغیر میں مقرر سے وابستہ معلومات موجود ہیں اور کیا ان کا اندازہ اور حساب لگانا ممکن ہے۔ اس مقصد کے لیے اس تحقیقی مقالے میں پہلے چار ادوار ثانیہ کی جانچ پڑتال کی گئی ہے۔ مقالہ نگار لکھتے ہیں:

> جیسے جیسے کمپیوٹر کے حساب لگانے کی طاقت میں اضافہ ہوا۔ ویسے ہی انسان کے لیے تحقیق کے نئے دروازے کھلتے گئے۔ اب وہ تھکا دینے والے حساب جو انسان نے کبھی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ بھی اس کی پہنچ میں آگئے۔ انہی میں سے ایک آواز پر عمل ہے۔ مقرر کی شناخت، زبان کی شناخت اور تقریر کی شناخت۔ اس مقالہ میں مقرر کی شناخت مرکز نگاہ ہے۔۲۷

وہ بیان کرتے ہیں کہ مقرر کی شناخت کے میدان میں، بیسویں صدی کے لگ بھگ سنجیدہ کوششیں شروع ہو گئیں تھیں۔ اس وقت اس کا استعمال، لندن اور امریکا میں عدالتی اور حفاظتی نظام میں شروع ہوا۔ فی زمانہ اس کا استعمال ٹیلی فون سے کام لینے کے طریقوں، ورلڈ وائیڈ ویب کی حفاظت اور اسی طرح کے کئی دوسرے حفاظتی نظاموں میں ہو رہا ہے۔ اسی طرح اگر دیکھا تو دورِ حاضر میں مارکیٹ اور میڈیا میں جس قدر انگلیوں کے نشانات کا استعمال ہو رہا ہے، اسی قدر صوتی نقوش کا استعمال بھی ہو رہا ہے۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انگلیوں کے نشانات کے ذریعے شناخت تو ممکن ہے کیونکہ ان میں نہ بدلنے والی مادی خصوصیات شامل ہوتی ہیں۔ یعنی کسی بھی حالت میں انسان کی انگشتی نقوش نہیں بدلتے مگر اس کے مقابلے میں صوتی نقوش جو کہ وہ آواز پیدا کرنے والے اعضاء اور زبان، ان دو میکانی عوامل کا نتیجہ ہے۔ اور یہ دونوں عوامل بہت آسانی کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔ یعنی انسان کوشش کے ساتھ ان کو آسانی سے بدل سکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی ،عدالتی صوتیات اور ٹیلی فون کے ذریعے رابطے کے میدان کے علاوہ بہت سے دوسرے شعبہ جات میں، بہت سے محققین، انفرادی اور اجتماعی طور پر مقرر کی پہچان پر کام کر رہے ہیں۔

آواز مختلف چھوٹے چھوٹے اجزاء آواز اور صوتیے، پر مشتمل ایک مسلسل عمل ہے۔ یہ مصوتہ اور مصمتہ کا ایک مرقع ہے۔ ہر مصوتے کے کچھ ادوار ثانیہ ہوتے ہیں مگر اس کے دونوں اطراف میں مصمتہ کی موجودگی کی وجہ سے ان ادوار ثانیہ میں کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ ادوار ثانیہ میں آنے والی یہ تبدیلی اس وقت وقوع پذیر ہوتی ہے جب کوئی شخص ایک مصمتہ ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی واقع مصوتے کو ادا کرنے کے لیے اسے اپنے کوزہ ذہن کو دوسری شکل دینی پڑتی ہے۔ جب مقرر مصمتہ ادا کر چکا ہوتا ہے اور مصوتے کو ادا کرنے کے لیے اس نے ابھی اپنے کوزہ دہن کو شکل نہیں دی ہوتی، یہ مختصر سا وقفہ، آواز کے لیے بہت فیصلہ کن ہوتا ہے اور محققین کے نزدیک یہی وقفہ آواز کو قابل فہم بناتا ہے۔ اور ثانیہ، اسی مختصر سے وقفے کے دوران مقرر اور مصوتے کے سیاق و سباق کے مطابق، گرتے یا چڑھتے رہتے ہیں اور پھر مصوتے کے مستقل حصے میں داخل ہوتے ہیں۔

> یہ مقالہ اس حقیقت پہ منحصر ہے کہ تمام انسانی کوزہ دہن کی مختلف ساخت کے حامل ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ قیاس کیا گیا ہے کہ ان کا ایک مصمتے کے بعد کسی مصوتے کی ادائیگی کے لیے اپنی نلی کی ساخت کو تبدیل کرنے کا انداز مختلف ہو گا۔ ۲۸

مقالہ نگاروں کے مطابق انہوں نے اس تحقیق کے آغاز میں یہ فرض کر لیا تھا کہ ان کی یہ تحقیق صرف تجربات پر ہی منحصر ہو گی اور متن سے مکمل طور پر آزاد ہو گی کیونکہ ہر مقرر کو اپنا نشان ہر مصوتہ مصمتہ تغیر پر چھوڑنا چاہیے مگر بعد میں کچھ وجوہ کی بنا پر انہیں اپنی اس تحقیق کو تحریری شکل دینی پڑ گئی۔

ادوار ثانیہ کے بارے میں مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ ہر مصمتے کا ادوار ثانیہ مختلف ہوتا ہے۔ کچھ ادوار ثانیہ کو اٹھنے پر مجبور کر دیتے ہیں جیسے کہ دولبی مصمتے۔ اسی طرح کچھ مصمتے ان ادوار ثانیہ کو ایک مختصر سی مدت کے لیے بگاڑ دیتے ہیں۔ جیسے کہ معکوسی یا پلٹے دار مصمتے اور اسی طرح کچھ مصمتوں میں آواز کی چڑھائی کا دورانیہ لمبا ہوتا ہے جیسا کہ صفیری مصمتے اور کچھ آواز کی چڑھائی کا دورانیہ مختصر ہوتا ہے۔ مثلاً افقی حنکی بندشی مصمتے۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ مصمتے افقی بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ مختلف مصمتے جب مختلف مصورتوں کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں تو اس سے بڑی تعداد میں "مصوتہ۔ مصمتہ میل" جنم لیتے ہیں۔ جن کے لحاظ سے ادوار ثانیہ کے تغیر پر مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان تمام باتوں کو مد نظر رکھ کر اس مقالے کی بنیاد رکھی گئی اور ایسے الفاظ کا انتخاب کر کے انہیں جملے میں رکھا گیا جن میں مصوتہ۔ مصمتہ تغیر موجود تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس ضمن میں بھی طوالت سے گریز کرتے ہوئے۔ اسے مختصر رکھا گیا تا کہ سیاق و سباق کے فرق کو کم کیا جا سکے اور مجموعی آواز کی شرح میں اختلاف کو قابو کیا جا سکے۔ ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے انہوں نے اپنے تجربے کے لیے جو جملہ ترتیب دیا وہ یہ تھا:

آبابا آ۔ آکاکا آ۔

یہاں وہ اس بات کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ مختلف مقررین کی آوز کا سگنل مختلف ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات ایک ہی مقرر کے دو جملوں کی ادائیگی میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہی بات ان کی تحقیق کے لیے بہت بڑا مسئلہ ثابت ہوئی کہ ایک ہی مقرر کے ایک ہی جملے کے سگنلز میں اختلاف واقع ہو رہا تھا۔ اس کے حل کے لیے انہوں نے فی مقرر بڑی تعداد میں نمونے کے لیے یعنی کہ ایک ایک مقرر کے دس دس نمونے۔ اسی طرح ایک اور خاص بات یہ بھی تھی کہ ان نمونوں کی تعداد کو محدود رکھنے کے لیے انہوں نے مقررین کی تعداد 15 رکھی ورنہ نمونوں کی تعداد بڑھانا پڑتی۔ اس طرح جنس کے فرق سے محفوظ رہنے کے لیے مرد اور عورتوں کے مناسب تناسب سے نمونے لیے گئے۔ مرد اور عورتوں کا تناسب بالترتیب ا اور ۵ءا اور رکھا گیا یعنی 15 میں سے 9 مرد اور 6 عورتیں۔ ان تمام مقررین کی عمر 23 سے 24 سال کے

درمیان تھیں اور ان کے قد بھی تقریباً یکساں تھے۔ اس کے علاوہ جس بات کا خاص خیال رکھا گیا وہ یہ تھی کہ ان کی مادری زبان اُردو تھی۔

تمام ریکارڈنگز، ریکارڈنگ روم کے ماحول میں کی گئیں جس میں کسی قسم کا شور موجود نہیں تھا مگر تجربے کے دوران ان میں کچھ شور ڈال دیا گیا۔ جملے میں 4۔ مصمتہ۔ مصوتہ تغیر موجود تھے۔ دوا۱ سے ا۱ کے درمیان اور دو /k/ سے /a/ کے درمیان۔ اعداد و شمار حاصل کرنے اور تجزیے کے لیے Praat نامی سافٹ وئیر استعمال کیا گیا اور ہر تغیر کے لیے 4 ادوار ثانیہ، F3,F2,F1 اور F4 کا تجزیہ کیا گیا۔ F0 کو اس لیے نظر انداز کر دیا گیا کہ وہ شور کی وجہ سے خراب ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ وہ Praat میں دکھائی بھی نہ دیتی تھی۔ اس طرح مندرجہ ذیل قدروں کا جائزہ لیا گیا۔

ا۔ ادوار ثانیہ کے عبور کے اختتام اور آغاز کا فرق

۲۔ اس فرق کے درمیان کا وقت

۳۔ تغیر کی شرح۔ یعنی ادوار ثانیہ کی قدروں کی تغیر کو وقت سے تقسیم کیا گیا۔ جس کے ذریعے تغیر کی شرح معلوم کی گئی۔

یہ تمام قدریں، صوتی لہروں کا تجزیہ کرنے کے بعد اکٹھی کی گئیں اور ان کے لیے وہ علامہ منتخب کیا گیا جہاں پر تغیر موجود تھا۔ اس کے بعد Praat کے ذریعے اس علاقے کی قدریں معلوم کی گئیں اور پھر ہر مقرر کے ہر ادوار ثانیہ کے لیے ۱۰ تغیر کی قدروں کی اوسط لی گئی اور پھر اس کا معیاری انحراف نکالا گیا۔ ان شماریات کے دوران اگر کسی قدر کا رجحان میں بہت زیادہ انحراف نظر آیا تو اسے تلف کر دیا گیا۔ اسی طرح بہت سارے تجربات کیے گئے اور مختلف نتائج اخذ کیے گئے جنہیں جدولوں کی صورت میں لیا گیا۔ اسی طرح ہر مقرر کے چاروں ادوار ثانیہ کا باقی مقررین سے موازنہ بھی کیا گیا تا کہ یہ پتہ چل سکے کیا اس سے دو مقررین کی شناخت ممکن ہے۔ اس طرح ایک اہم مشاہدہ جو اس تحقیق سے ہوا وہ مصوتے پر منحصر شناخت تھی۔ بعض کے ایک مصوتے کے ادوار ثانیہ کے تغیر کے ذریعے مجموعی طور پر مقررین کے ایک گروہ کے درمیان فرق کرنے میں کافی اور اسی طرح دوسرے مصوتے کے ادوار ثانیہ کے تغیر کے ذریعے دوسرے گروہ میں فرق کرنے میں مدد ملی۔

مجموعی طور پر تمام تجربات سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انگلیوں کے نشانات سے جس طرح تحقیقات میں مدد مل رہی ہے اسی طرح صوتی نقوش سے بھی مدد مل سکتی ہے اور اس میں جو سقم موجود ہیں ان

کو بھی دور کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ آواز پیدا کرنے والے اور زبان میں کافی حد تک تلون پایا جاتا ہے مگر اس تلون کے باوجود ان نقائص کو کافی حد تک دور کر کے ایک شفاف تحقیق کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ یہ قدرتی بات ہے کہ کچھ لوگ کچھ خاص حروف یا الفاظ خاص انداز میں ادا کرتے ہیں اور وہ بہت زیادہ تبدیلی کرنے پر بھی کبھی کبھی ان الفاظ و حروف کو اسی طرح ادا کرتے ہیں۔ اس لیے محتاط تجربات اور اعداد و شمار کے ذریعے اس عمل کو کامیاب بنایا جاسکتا ہے۔

۲۔ مصمتے یا اصواتِ صحیحہ:۔ (Consonants)

پہلی قسم کی آوازیں، "مصوتے" کہلاتی ہیں جن کی وضاحت پیچھے ہو چکی ہے۔ یہ وہ آوازیں ہوتی ہیں جن کی ادائیگی میں سانس کو کسی بھی مقام پر، کسی قسم کی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور وہ بغیر کسی رکاوٹ کے خارج ہوتی ہے۔ ان کی ادائیگی کے وقت زبان مختلف حالتوں میں ہوتی ہے اور ہونٹ مختلف حالتیں اختیار کرتے ہیں لیکن سانس کو کسی بھی مقام پر رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ان آوازوں کو "مصوتے" یا "اصواتِ علت" کہا جاتا ہے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ آواز کی ادائیگی اگرچہ ظاہری طور پر منہ سے ہی ہوتی ہے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام آوازیں زبان سے ہی نکل رہی ہیں مگر درحقیقت ان آوازوں کی پیدائش میں، پیٹ، پھیپھڑے، سانس کی نالی، منہ، ناک اور ان سے متعلقہ اور ان کے بیچ آنے والے تمام اعضاء بالواسطہ یا بلاواسطہ حصہ لے رہے ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ سانس بھی اس عمل میں شامل ہوتی ہے۔

سانس، پھیپھڑوں سے نکلتے ہوئے مختلف راستوں سے پیٹ اور سانس کی نالی کے راستے منہ تک آتی ہے۔ اس راستے میں مختلف مقامات پر سانس کے رکنے سے مختلف آوازیں پیدا ہوتی ہیں جنہیں "مصمتے" یا "اصواتِ صحیحہ" کہا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں، وہ آوازیں جن کی ادائیگی میں سانس کو کسی نہ کسی مقام پر رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑے ان آوازوں کو "مصمتے" یا "اصواتِ صحیحہ" کہا جاتا ہے۔

اردو ہو یا دنیا کی کوئی دوسری زبان، سب میں مصمتوں کی تعداد مصوتوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ برصغیر میں چوں کہ بیرونی حملہ آور بہت زیادہ اور دنیا کے مختلف علاقوں سے آئے اور ہر بیرونی حملہ آور، جو حکومت بھی قائم کرے، اسے مقامی زبان سیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ مقامی زبانوں پر اثر انداز بھی ہوتی ہیں سو وہ زبان جسے آج اردو کہا جاتا ہے اس نے بھی ہر حملہ آور کی زبان کا اثر قبول کیا اور یوں اس میں عربی، فارسی، ترکی، انگریزی اور یہاں کی مختلف دوسری مقامی زبانوں کے آثار واضح طور پر نظر آتے ہیں اس

وجہ سے اس کا ذخیرہ الفاظ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں موجود آوازیں بھی بہت سی دوسری زبانوں سے زیادہ ہیں۔ پچھلی بحث سے بھی اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اردو میں کم و بیش چوبیس(24)تو صرف مصوتی آوازیں ہیں۔ مصمتی آوازیں بھی بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔

جس طرح مصوتی آوازوں یا مصوتوں پہ تمام ماہرین لسانیات کا اجماع نہیں ہے بلکہ کہیں کم تو کہیں شدید اختلاف پایا جاتا ہے بالکل اس طرح مصمتوں کی تعداد پر بھی اکثر ماہرین لسانیات متفق نہیں ہیں بلکہ بعض جگہوں پر تو یہ اتفاق بہت زیادہ شدت اختیار کر جاتا ہے۔یعنی کسی کے نزدیک مصمتی آوازیں بہت کم تو کسی کے ہاں بہت زیادہ ہیں۔

مصمتی آوازوں کو بنیادی طور پر دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔یہ تقسیم نقطہ ءادا اور طریق ادا کے فرق کی بنیاد پہ نہیں بلکہ ہلکے پن اور بھاری پن کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

ا۔ہکاری آوازیں

۲۔ غیر ہکاری آوازیں

ذیل میں دونوں کی مختصراً وضاحت بیان کی جاتی ہے:

ا۔ہکاری آوازیں:۔

انہیں بھاری آوازیں،مہاپران جب کہ انگریزی میں(Aspirated Sounds) کہا جاتا ہے۔ان آوازوں میں سادہ مصمتوں کے ساتھ ہکاریت کا عنصر شامل ہو جاتا ہے اور ایک قسم کا بھاری پن پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کی علامتوں یعنی ان کے لیے وضع کیے گئے حروف میں دو چشمی "ھ "کا اضافہ کیا جاتا ہے۔یہ آوازیں دنیا کی ہر زبان میں نہیں ہوتیں۔ کئی زبانیں ان آوازوں سے خالی ہوتی ہیں مگر اردو میں یہ آوازیں بہت زیادہ تعداد میں موجود ہیں اور مختلف ماہرین لسانیات کے نزدیک ان کی تعداد دس(۱۰) سے سترہ (۱۷) تک ہے۔ جس کی وضاحت آگے آئے گی۔انہیں مرکب آوازیں بھی قرار دیا گیاہے۔

بہت سی دوسری زبانوں کے برعکس اُردو زبان ہائیہ آوازوں کے معاملے میں بہت امیر واقع ہوئی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ جتنی ہائیہ آوازیں اُردو میں موجود ہیں وہ دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں تو یہ کہنا کافی حد تک درست ہی ہو گا۔ عربی فارسی میں تو سرے سے ہائیہ آوازوں کو وجود ہی نہیں ہے۔اُردو میں چونکہ ہائیہ آوازیں کثرت سے موجود ہیں اس لیے اس کی کچھ ہائیہ آوازوں کے وجود میں اکثر اختلات پایا جاتا ہے۔ جن میں "رھ "،"ڑھ "،"لھ "،"مھ "اور "ٹھ "شامل ہیں۔

ڈاکٹر گیان چند جین نے اپنی کتاب "لسانی جائزے" اور شان الحق حقی نے اپنی کتاب "لسانی مسائل و لطائف" میں اردو کی ہکاری آوازوں سے متعلق دو مضامین شامل لیے ہیں جو اس موضوع پر مناسب روشنی ڈالتے ہیں۔ڈاکٹر گیان چند جین کا مضمون اس حوالے سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور کیوں کہ انہوں نے اُردو میں ہکاری آوازوں سے متعلق۔ اس سے پہلے ہونے والی ساری تحقیق کو مدِ نظر رکھ کر ایک نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مضمون کے شروع میں وہ لکھتے ہیں۔

> "جو(ہائے ہوز) کی آواز حلقوم سے نکلنے والی صغیری آواز ہے جسے ادا کرنے میں اعضائے نطق کو دوسرے تمام مصمتوں کی نسبت کم محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس کی شکل ہکاریت (Aspiration) ہے جس میں بعض مصموتوں کو ادا کرتے وقت معمول سے زیادہ ہوا کا اخراج کیا جاتا ہے۔ پہلی کو ہائے ملفوظی اور دوسری کو ہائے مخلوط کہتے ہیں۔۲۹

آگے چل کر وہ ہائے ملفوظی کو اپنی بحث سے خارج قرار دیتے ہیں اور صرف ہائے مخلوط والے الفاظ کو ہی شاملِ بحث کرتے ہیں کیوں کہ ہائے مخلوط ہی ہکاری آوازوں کا باعث بنتی ہے۔اس سلسلے میں انہوں نے اردو کی طرف آنے سے پہلے یہاں کی چند دوسری زبانوں، جنہیں انہوں نے اردو کی "جدی زبانیں" قرار دیا ہے،میں موجود ہکاری آوازوں کا تجزیہ بھی کیا ہے جس میں ہند یورپی،اوستائی،یونانی،ویدک بھاشا،پالی،شورسینی پراکرت وغیرہ شامل ہیں۔اس مضمون میں انہوں نے اپنے تحقیق کے ساتھ ساتھ،ڈاکٹر شوکت سبزواری اور ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی مختلف تحریروں کا تجزیہ بھی کیا ہے۔اور ڈاکٹر شوکت سبزواری کے متعلق واضح انداز میں بیان کیا ہے کہ وہ دراصل تاریخی لسانیات کے ماہر ہیں اور صوتیات پر ان کی وہ نظر نہیں جو ہونی چاہیئے اس لیے اس ضمن میں ان کی رائے کی وہ اہمیت ہی نہیں رہتی رہے گوپی چند نارنگ تو ان کی آرا پہ بھی اس مضمون میں ایک جامع تبصرہ موجود ہے۔

رشید حسن خان نے اگرچہ اردو صوتیات پہ براہِ راست کوئی کام نہیں لیا لیکن املا کے ضمن میں لکھی گئی مختلف کتب میں اس حوالے سے کچھ نہ کچھ نظر آجاتا ہے۔خاص کر "اردو املا" نامی کتاب میں انہوں نے اس حوالے سے بہت کچھ لکھا ہے۔ڈاکٹر گیان چند نے اپنے اس مضمون میں ان سب کا بھی ایک جامع تجزیہ کیا ہے۔ سب کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ پندرہ ،رشید حسن خان سولہ،جب کہ ابو

محمد سحر سترہ، ہکاری حروف مانتے ہیں لیکن حروفِ تہجی کی تعداد بڑھ جانے کے خطرے کے پیشِ نظر، کوئی بھی ان حروف کو حروفِ تہجی میں جگہ دینے کو تیار نہیں۔

یہ مضمون اردو میں ہکاری آوازوں کے متعلق ایک مختصر مگر جامع مضمون ہے جس میں بہت سے ماہرینِ لسانیات کی چیدہ چیدہ آرا پر جامع اور مدلل انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے اور مناسب انداز میں ان کی تائید یا تردید کی گئی ہے۔ آخر میں ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں۔

> پندرہ حروف کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ صرف یھ اور وھ مشکل پیدا کرتے ہیں یھ محض ایک متروک اور غیر معیاری لفظ (یھاں) میں ملتا ہے۔ وھ اسی قسم کے لفظ (وھاں) میں ہے۔ اس کے علاوہ یہ انگریزی کے ایسے دخیل لفظ وھیل (مچھلی) میں موجود ہے جس کے لیے اردو میں کوئی دوسرا لفظ نہیں۔ ۳۰

اس کے بعد کی ساری بحث املا سے متعلق ہے اور ڈاکٹر صاحب موصوف نے کہیں واضح طور پر اردو میں ہکاری آوازوں کی تعداد بیان نہیں کی ہے۔ شان الحق حقی نے اپنی کتاب "لسانی مسائل و لطائف" میں اس حوالے سے ایک چھوٹا سا مضمون شامل کیا ہے جس میں انہوں نے ہکاری آوازوں کو مفرد آوازیں قرار دینے کی بجائے انہیں دو چشمی کے ساتھ مخلوط آوازیں قرار دیا ہے اور ان کی تعداد پندرہ بیان کی ہے۔ ان کے مطابق یہ ہائیہ آوازیں خالص دیسی پیداوار ہونے کے ساتھ ساتھ اردو کی امتیازی خصوصیت بھی ہیں یعنی یہ آوازیں اُردو کے علاوہ کسی دوسری زبان میں موجود نہیں ہیں۔ ان کی تعداد کے متعلق وہ لکھتے ہیں۔

> اردو میں مستعمل ہائیوں کی تعداد ۱۵ تک پہنچی ہے۔ یعنی بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، رھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ، مھ، اور نھ۔۔۔ بعض لوگ ان میں "وھ، یھ" کا اضافہ بھی کرتے ہیں اور بعض "رھ اور لھ" کی نسبت شک کرتے ہیں کہ انہیں مخلوط مانا جائے یا نہیں۔ ۳۱

ڈاکٹر شوکت سبزواری نے بھی سترہ ہائیہ آوازیں بیان کی ہیں۔ ۳۲

اسی طرح، "اخبار اردو" کے صوتیات نمبر میں بھی اس حوالے سے دو مضامین شامل کیے گئے ہیں جن میں سے ایک کا عنوان، "اردو میں ہائیہ ر، ڑ اور ل کا وجود" ہے۔ اس مقالے میں پچھلی تین دہائیوں میں، اُردو زبان ان آوازوں کی موجودگی اور عدم موجودگی پر بحث کی گئی ہے۔ مقالے کے آغاز میں اُردو کے بہت سے ماہرین لسانیات جن میں ڈاکٹر سہیل بخاری، ڈاکٹر عبدالمجید میمن، ڈاکٹر سلیم اختر اور شان الحق حقی وغیرہ شامل ہیں، کے حوالوں سے اُردو زبان میں "رھ"، "ڑھ" اور "لھ" کی موجود اور عدم موجود کی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی جبکہ دوسرے حصے میں صوتیاتی اور سمعیاتی تجزے کے ذریعے ان الفاظ کی موجودگی اور عدم موجودگی پر تحقیق کی گئی۔ سمعیاتی تجزیے کے لیے پانچ مرد اور پانچ خواتین اہل زبان کا انتخاب کیا گیا جن کی عمریں بیس سے اکیس سال کے درمیان تھیں اور ان سے مختلف الفاظ بلوا کر ریکارڈ کیے گئے اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھا گیا کہ یہ تمام اہل زبان، پاکستانی پنجاب کے باشندے تھے اور ان کی آبائی زبان پنجابی تھی۔

اسی طرح صوتیاتی تجزیے کے لیے ۱۰ مرد اور ۱۰ خواتین اُردو اہل زبان کے ۱۶ الفاظ کی لہجہ بندی کی گئی۔ انہیں پچھلے اُردو الفاظ کی لہجہ بندی کی ترتیب دی گئی اور پھر انہیں لہجہ بندی کے لیے منتخب کیے گئے اصل الفاظ جن میں "رھ"، "ڑھ" اور "لھ" پائے جاتے تھے، دیے گئے۔ اسی طرح سمعیاتی تجزیے کے لیے "رھ"، "ڑھ" اور "لھ" کے اقلی جوڑوں کے جملے کی ریکارڈنگ کے لیے دیے گئے۔ جبکہ صوتیاتی تجزیے کے لیے منتخب کیے گئے 16 الفاظ، عام اُردو الفاظ میں ملا جلا کر دیے گئے۔ ریکارڈنگ اور سمعیاتی اور صوتیاتی تجزیے کے لیے "پرات (Praat) اور ون سنوری (Winsnoori) سافٹ وئیر استعمال کیے گئے۔

تجربات اور تجزیے سے مختلف قسم کے نتائج سامنے آئے جن میں صوتیاتی تجزیے کے نتائج کا ایک تفصیلی جدول مرتب کیا گیا ہے۔

ان تمام تجربات اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج کا تجزیہ کرنے کے بعد مقالہ نگار اس نتیجے پر پہنچیں ہیں:

> "رھ"، "ڑھ"، اور "لھ" صوتیاتی طور پر پائے جاتے ہیں کیونکہ ایسے الفاظ لغت میں موجود ہیں جن میں یہ تین صوتیے استعمال ہوئے ہیں۔ ایسے الفاظ جن میں "رھ"، "ڑھ" اور "لھ" پائے جاتے ہیں کی لہجہ بندی اور صوت بندی اہل زبان سے کروائی گئی۔

نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ ۵۰ فیصد سے زیادہ اہل زبان، ابھی "لھ" اپنی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ "رھ" اب استعمال نہیں کیا جاتا جبکہ "ڑھ" صرف تبھی استعمال ہوتا ہے جب اس کے بعد مصوتہ نہ آئے۔ ۳۳

مجموعی طور پر یہ ایک مفید تحقیق تھی مگر اس میں تحقیق کی غرض سے رکھے گئے ہائیوں "رھ"، "ڑھ" اور "لھ" کے ساتھ ساتھ "مھ" اور "نھ" پر بھی تحقیق ہونی چاہیے تھی۔ کیونکہ موجودگی اور عدم موجودگی کے حوالے سے وہ بہت زیادہ متنازعہ فیہ ہیں بلکہ بعض کے نزدیک تو "مھ" اور "لھ" کا سرے سے وجود ہے ہی نہیں جبکہ بعض "نھ" کا بہت زیادہ الفاظ میں پایا جانا ثابت کرتے ہیں۔ ان ہائیوں کو بھی تحقیق میں شامل کیا جانا چاہیے تھا۔

دوسرے مقالے کا عنوان "ہائیہ مصمتوں کا اُردو میں صوتیاتی برتاؤ" ہے اور اس کے مقالہ نگار عدنان نثار اور ذیشان باقر ہیں۔ اس مقالے کی ابتدا میں وہ کہتے ہیں:

اُردو میں ہائیہ آوازیں اپنے سیاق و سباق کے مطابق اختلاف دکھاتی ہیں۔ جن کی خاص وجہ علم صوتیات کے کچھ اصول ہیں۔ ان تبدیلیوں کی بے ترتیبی کی وجہ سے تعلیمی صوتیاتی اصول بنانا مشکل ہیں۔ یہ پرچہ ان علم صوتیاتی اصولوں کو عیاں کرنے کی کوشش کرے گا جن کی وجہ سے ہائیہ مصوتوں کا اُردو زبان میں برتاؤ کیا جا سکے۔ ان اصولوں کو متعلقہ مثالوں کے ساتھ بیاں کیا گیا ہے۔ ۳۴

وہ بیان کرتے ہیں کہ انسان چونکہ فطرتاً سست ہے۔ اس لے وہ بولنے کے عمل میں بھی آسانی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس مقصد کے لیے وہ الفاظ کی ادائیگی کے عمل کو آسان بنانے کی کوشش کرتا ہے اور زبان میں موجود ایسے اجزا کو چھوڑ دیتا ہے جن کے بولنے میں اسے مشکل پیش آئی۔ اس لیے اکثر اوقات الفاظ کے بولنے اور لکھے جانے میں کچھ نہ کچھ عدم مطابقت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس ردوبدل کا تعلق صوتیات سے ہے اس لیے اسے صوتیاتی اصولوں سے بیان کیا جاتا ہے۔ ان الفاظ میں آنے والی تبدیلیاں جن صوتیاتی اصولوں کے تحت آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ مماثلت

۲۔ عدم تمثیل

۳۔ ادخال

۴۔ اخراج

۵۔ تقلیب

یہاں اُردو میں جن ہائیہ مصمتوں کا اختلاف پایا جاتا ہے جو کہ ڑھ، رھ، لھ، نھ، مھ ہیں، کا بھی ذکر کیا گیا کہ یہ جب بھی ہائیہ مصمتوں کے طور پر استعمال ہوتے ہیں تو ان کا اپنا ایک مخصوص برتاؤ ہوتا ہے۔ اس طرح محولہ بالا صوتیاتی اصولوں کو بیان کرنے کے دو طریقے ہیں:

۱۔ خطی علم صوتیات

۲۔ خود مختار قطعاتی علم صوتیات

وہ اصول جو کہ کسی زبان کی آوازوں کا تعامل کو ظاہر کرتے ہیں "صوتیاتی اصول" کہلاتے ہیں۔ ان صوتیاتی اصولوں کے تجزیے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان تمام اصولوں کے پس پردہ انسانی سہل پسندی اور الفاظ کی ادائیگی اور تلفظ میں آسانی چاہنے کا اصول مشترک طور پر نظر آتا ہے۔ مقالے میں ان تمام اصولوں کو فرداً فرداً وضاحت بھی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ مماثلت سے مراد ہے کہ کوئی آواز اپنی قریبی دوسرے آواز کے مشابہ ہو جائے۔ اس کی ایک ذیلی قسم بندش میں تبدیلی بھی ہے جو کہ ملین (زور کی کمی) بھی ہو سکتی ہے اور مضبوطی (زور کی زیادتی) بھی۔ اس طرح عدم تمثل، مماثلت کا الٹ ہے۔ یعنی ایک آواز کا اپنی قریب آواز سے مختلف ہو جانا۔ اسی طرح ادخال میں ایک قطعہ کسی لفظ میں یا خصوصی جزو کسی صوتیہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہائیت ایک جزو ہے اس لیے وہ کسی مصمتے میں داخل ہو سکتی ہے۔ مقالہ نگاروں کے مطابق ڈاکٹر سہیل بخاری نے اس کی کچھ مثالیں بھی دی ہیں۔ مگر یہ عمل ہمیشہ ظہور پذیر ہوتا۔ اسی طرح تقلیب کے عمل میں پورا قطعہ یعنی کا خطہ الٹ پھیر ہو جاتا ہے۔

صوتیاتی اصولوں کی اس وضاحت کے بعد ان کے اظہار کے لیے رائج دونوں طریقوں کی وضاحت بھی پیش کی گئی ہے جو کہ خطی علم صوتیات اور خود مختار قطعاتی علم صوتیات ہیں۔ اول الذکر کی وضاحت یوں بیان کی گئی ہے:

خطی علم صوتیات کا بنیادی معروضہ یہ ہے کہ آواز کا صوتیاتی اظہار دراصل قطعات کے جدا قلب میں کاٹنے کے برابر ہے"۔

اسی طرح خود مختار قطعاتی علم صوتیات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خود مختار قطعاتی علم صوتیات، صوتیاتی اظہار کو کئی سمتوں میں جس کی
بہت سی سطحیں ہوتی ہیں، کے طور پر پیش کرتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ مماثلت کے عمل کو خطی علم صوتیات جبکہ عدم تمثل اور اخراج کے عمل کو خود مختار قطعاتی علم صوتیات میں بہترین انداز میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ تقلیب کے عمل کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسے کس طریقے سے بہتر طور پر بیان جاسکتا ہے۔

اب دیکھنا یہ تھا کہ اُردو زبان میں موجود ہائیہ مصمتے کس قسم کے صوتیاتی اصولوں کی پیروی کرتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے فاضل مقالہ نگاروں نے تحقیق کرنے کے لیے پانچ لغات:

۱۔ فرہنگ آصفیہ از مولوی سید احمد

۲۔ فیروز اللغات اُردو، (جیبی) از مولوی فیروز الدین

۳۔ فرہنگ تلفظ از شان الحق حقی

۴۔ نور اللغات از مولوی نور الحسن نیئر

۵۔ Dictionary of Urdu, Classical and English از جان ٹی پلیٹس

کا انتخاب کر کے ان سے معلومات اکٹھی کیں اور تجزیے کے لیے صرف ہائیہ مصمتوں میں انحراف ظاہر کرنے والے الفاظ کا انتخاب کیا گیا۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے ہائیہ الفاظ بھی منتخب کیے گئے جن کی لغاتی طرز ادائیگی، ان کی عام بول چال سے قدرے مختلف تھی۔ اس کے بعد دیکھنے کے لیے کہ کن ملفاظ پر کون سا اصول لاگو ہوتا ہے۔ ان الفاظ کی رکنی بناوٹ کو بھی مد نظر رکھا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان مصمتوں کی صورت کو بھی مد نظر رکھا گیا اور صوتی اصولوں کو بیان میں "خطی اظہار" اور "خود مختار قطعاتی اظہار" میں سے وہ طریقہ چنا گیا جس کے ذریعے اس کی بہترین وضاحت ہو سکتی تھی۔ جو نتائج سامنے آئے وہ کچھ یوں تھے:

اخراج:

مصمتے سے ہائیہ کے اخراج کی بنیادی وجہ تلفظ کاری میں آسانی ہے۔ ہائیہ کے اخراج کی دو صورتیں ممکن ہیں:

۱۔ لفظ کی حد پر

۲۔ تلفظ کے درمیان میں

اُردو میں لفظ کی حد پر موجود ہائیہ مصمتہ، غیر ہائیہ مصمتے سے بدل جاتا ہے۔ سوائے اس کے کہ آخر میں موجود مصمتہ غیر مسموع ہائیہ غشائی بندش /K/ ہو۔

اسی طرح لفظ کے درمیان میں موجود ہائی مصمتے سے بھی ہائیت کا اخراج ممکن ہے مگر اس کے لیے کچھ خاص قسم کا سیاق وسباق چاہیے۔

اس حوالے سے کچھ متنازعہ اور خاص خصوصیات کے حامل الفاظ بھی دیکھنے میں آئے جن کا رکنی تجزیہ کرنے کے باوجود مقالہ نگاروں کو کوئی ایسا ثبوت نہ مل سکا جو ان کے اس رویے کی وضاحت کرے کہ ان کے ابتدائی حصے میں موجود ہائیت پہلے لفظ میں خارج ہو جاتی ہے جبکہ دوسرے میں نہیں۔

تقلیب:

تقلیب کے ضمن میں مقالہ نگاروں کو زیادہ کوائف نامل سکے تاہم جتنے کوائف درکار ہوئے ان کو مد نظر رکھ کر انہوں نے کچھ اصول بیان کرتے ہوئے ان الفاظ، جن میں تقلیب کا عمل ہوتا ہے پر مشتمل ایک جدول پیش کیا۔ اصول، اس مقالے کی طوالت سے بچنے کے لیے حذف لیے جا رہے ہیں:

ادخال:

جب بھی لاحقہ /e/ اور /i/ کسی بند جماعت کے الفاظ کے ساتھ شامل کیا جاتا ہے تو ہائیہ، آخری مصمتے کا حصہ بن جاتا ہے۔ بند جماعت والے الفاظ میں اسم، فعل اور صفت شامل ہوتے اسی طرح غیر مسموع مصمتوں پر بھی یہ عمل لاگو نہیں ہوتا مثلاً /e/ + /us/ سے /use/ اس اصول سے مستثنا صرف ایک ہی مثال موجود ہے۔ /e/ + /ham/ سے /hame/ جس میں /m/ غیر ہائیہ رہتا ہے۔

عدم تمثل:

اگر دو ملحقہ ارکان کے ابتدائی حصوں میں یکساں مصمتوں میں ہائیہ موجود ہو تو اس عمل سے دوسرے مصمتے میں موجود ہائیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس عمل کے لیے دونوں مصمتوں کے اجزا کا یکساں ہونا لازمی ہے۔

سابقہ اصولوں کی طرح اس اصول میں بھی استثنیات موجود ہیں یعنی کچھ ایسے الفاظ موجود ہیں جن میں یہ شرائط پوری ہو رہی ہیں مگر پھر بھی ان میں عدم تمثل نہیں ہو رہا۔ ضمیمہ جات میں ان الفاظ کا ایک تفصیلی جدول موجود ہے۔ ان الفاظ کا مشترک جزو یہ ہے کہ یہ الفاظ مضاعف یعنی مارفیم (Morpheme) کی تکثیر یت کے عمل سے بنے ہیں۔

ہائیہ مسموعی مصمتوں جن میں ڑھ، رھ، لھ، نھ اور مھ شامل ہیں۔ اگرچہ اُردو میں ان صوتیوں کی حیثیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا کہ یہ اُردو میں موجود ہیں کہ نہیں۔ ان صوتیوں میں، تمام میں ہائیہ کا اخراج اور تقویت کا عمل ہوتا ہے۔ یعنی اگر ان سے پہلے کوئی لمبا مصمتہ آجائے تو مصمتے میں سے ہائیہ کا اخراج ہو جاتا ہے اور اگر مختصر مصمتہ آجائے تو ہائیت کو تقویت ملتی ہے اور وہ مسموعی /h/ میں تبدیلی ہو جاتا ہے۔

مجموعی طور پر یہ مقالہ انتہائی عرق ریزی اور محنت سے تیار کیا گیا ہے اور اس میں بیان کیے جانے والے صوتیاتی اصولوں اور ان کی پیش کی گئی مثالوں نے اُردو میں "ہائیہ صوتیوں" میں موجود اصولوں پر بہت عمدگی سے روشنی ڈالی ہے۔ جہاں تک مستثنیات کا تعلق ہے تو وہ ہر زبان میں موجود ہوتے ہیں۔ مگر اس مقالے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ مقالہ نگاروں نے محنت اور لگن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۲۔ غیر ہکاری یا سادہ آوازیں:۔

ان کو سادہ آوازیں ،ہلکی آوازیں یا الپ پران کہا جاتا ہے اور ان میں ہکاریت کا عنصر نہیں ہوتا۔ ہکاری آوازوں کے علاوہ تمام آوازیں غیر ہکاری ہوتی ہیں اور ان میں سوائے نقطہ ءادا اور طریق ءادا کی تخصیص کے ،اور کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ یہی بنیادی مصمتی آوازیں ہوتی ہیں جو دنیا کی ہر زبان میں موجود ہوتی ہیں۔

ہکاری اور غیر ہکاری آوازوں کے علاوہ، آوازوں کی ایک اور بڑی تقسیم بھی کی جاتی ہے مگر اس تقسیم کا تعلق طریقہ ءادا اور نقطہ ءادا کے فرق سے ہے۔ سانس جب پھیپھڑوں سے نکل کر صوتی تاروں میں سے گزرتی ہے تو ضرورت کے مطابق، بعض آوازوں کی ادائیگی میں صوتی تار ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں اور ان میں ایک ارتعاش کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے آواز میں ایک شدت اور زور کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب کہ بعض آوازوں کی ادائیگی میں صوتی تار اسی طرح اپنی جگہ پر ہی رہتے ہیں، اور ان میں کسی قسم کا ارتعاش پیدا نہیں ہوتا۔ ان خصوصیات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آوازوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ا۔ مسموع یا مصیتی آوازیں(Voice)

۲۔ غیر مسموع یا غیر مصیتی آوازیں(Voiceless)

ان کی وضاحت حسبِ ذیل ہے۔

1۔ مسموع یا مصیتی آوازیں:۔(Voice)

سانس جب پھیپھڑوں سے نکل کر صوتی تاروں سے گزرتی ہے تو بعض آوازوں کی ادائیگی میں صوتی تار ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے درمیان سے سانس کے گزرنے میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے اور صوتی تاروں میں ایک کھچاؤ پیدا ہو جاتا ہے اور سانس گزرتے ہوئے ان میں ایک ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے آواز زور دار ہو جاتی ہے۔ایسی آوازیں جن ی ادائیگی میں صوتی تار ایک دورے کے قریب آجائیں اور ان کے درمیان گزر گاہ تنگ ہونے اور ان میں کھچاؤ آجانے کی وجہ سے ان میں ارتعاش کی کیفیت پیدا کو جائے، مصیتی یا مسموع آوازیں کہلاتی ہیں جنہیں انگریزی میں (Voice) کہا جاتا ہے۔ خلیل صدیقی نے ان کے لیے باصدا کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

۲۔ غیر مسموع یا غیر مصیتی آوازیں:۔(Voiceless)

بعض آوازوں کی ادائیگی میں صوتی تاروں میں کسی قسم کی حرکت نہیں ہوتی اور وہ اپنی جگہ پر موجود رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے درمیانی گزر گاہ کافی کھلی ہوتی ہے اور سانس کو گزرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ آتی ہے نہ ہی صوتی تاروں میں کسی قسم کا ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ایسی آوازوں کو غیر مسموع آوازیں یا غیر، مصیتی آوازیں کہا جاتا ہے۔جب کہ انگریزی میں ان کے لیے (Voiceless) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ خلیل صدیقی نے انکے لیے بے صدا کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

مصیتی (Voiced) اور غیر مصیتی (Voiceless) آوازوں کے حوالے سے خلیل صدیقی نے اپنی کتاب "آواز شناسی" میں کافی بحث کی ہے۔ جس سے ان دونوں کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اس طرح پروفیسر گیان چند جین نے بھی اپنی کتاب "عام لسانیات" میں اس حوالے سے ایک سیر حاصل بحث کی ہے۔جو نسبتاً آسان اور عام فہم بھی ہے،انہوں نے ان کے لیے مصیتی آوازیں اور غیر مصیتی آوازیں کی اصطلاح استعمال کی ہے اور اسی کو موزوں اصطلاح قرار دیا ہے انہوں نے تصویری خاکوں کی مدد سے آوازوں کی ادائیگی کے وقت صوتی تاروں کی چار حالتیں دکھائی ہیں اور ان کی مدد سے مصیتی آوازوں اور غیر مصیتی آوازوں میں فرق بیان کیا ہے۔

مصیتی یا باصدا اور غیر مصیتی یا بے صدا ایک بنیادی اور بڑی تقسیم ہے جس کے بعد نقطہ ادا اور طریق ادا کی بنیاد پر ایک ذیلی تقسیم بھی کی گئی ہے جس کے تحت یہ آوازیں مزید کئی گروہوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں۔

ا۔نقطہء ادا:۔

ا۔دولبی:۔

یہ وہ آوازیں ہیں جو دونوں لبوں کے ملنے سے نکلتی ہیں مثلاً،پ،پھ،ب،بھ،م،مھ۔

۲۔لب دندانی:۔

یہ وہ آوازیں ہیں جو اوپر کے دانتوں اور نچلے ہونٹ ملنے سے نکلتی ہیں مثلاًف،و

۳۔دندانی:۔

یہ وہ آوازیں ہیں جو زبان کے دانتوں کے ساتھ لگنے کی صورت میں ادا ہوتی ہیں مثلاً،ت،تھ،د،دھ

۴۔لثوی:۔

لثوی،"لثہ"سے ہے جس کے معانی ہیں مسوڑھے۔لثوی آوازیں وہ آوازیں ہوتی ہیں جو زبان کے مختلف حصوں کے مسوڑھوں کے مختلف حصوں سے لگنے کی صورت میں ادا ہوتی ہیں مثلاً، س،ز،ل،لھ،ر،ن،نھ وغیرہ۔

۵۔پلٹے دار / معکوسی یا مڑ جھی:۔

یہ وہ آوازیں ہیں جن کی ادائیگی میں زبان پیچھے کی طرف مڑتی ہے مثلاً،ٹ،ٹھ،د،ڈھ،ڑ،ڑھ وغیرہ۔

۶۔حنکی یا تالوی:۔

"حنک"عربی میں سخت تالو کو کہتے ہیں۔حنکی آوازیں وہ آوازیں ہوتی ہیں جن کی ادائیگی میں زبان کا کوئی حصہ،سخت تالو کی طرف اٹھتا ہے۔مثلاً، چ،چھ،ج،جھ،ش،ژ،"ی"بھی اگر نیم مصوتے کے طور پر استعمال ہو تو حنکی آواز کی ذیل میں آتی ہے۔

۷۔غشائی آوازیں:۔

"غشا"عربی میں تالو کے نرم حصے کو کہا جاتا ہے اس لیے غشائی آوازوں سے مراد وہ آوازیں ہیں جو زبان کے،تالو کے نرم حصے کی طرف اٹھنے کی صورت میں ادا ہوتی ہیں مثلاً، ک،کھ،گ،گھ،خ،غ،نگ وغیرہ۔

لہاتی آوازیں:۔

"لہات" عربی میں حلق کے کوّے کو کہا جاتا ہے۔لہاتی آوازوں سے مراد وہ آوازیں ہیں جو حلق کے کوّے اور زبان کی حرکت سے پیدا ہوں مثلاً "ق"۔

حلقی:۔

حلق سے نکلنے والی آوازوں کو حلقی آوازیں کہا جاتا ہے مثلاً "ہ" وغیرہ۔

واضح رہے کہ آوازوں کی ادائیگی میں زبان سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے اس لیے تقریباً تمام آوازوں کے نقطہء ادا میں زبان کا کردار مرکزی رہا ہے یعنی باقی تمام اعضا کے ساتھ زبان کے عمل ہی کی صورت میں تمام آوازیں ادا ہوتی ہیں۔

نقطہ ادا کی طرح، طریق ادا کی بنیاد پر بھی آوازوں کی تقسیم کی جاتی ہے جو درج ذیل ہے۔

۲۔ طریقِ ادا:۔

ا۔مسدودے / بندشی آوازیں:۔

یہ وہ آوازیں ہوتی ہیں جن کی ادائیگی میں سانس کے راستے میں رکاوٹ نسبتاً زیادہ ہوتی ہے اور بعض حالتوں میں تو سانس بلکل بند کر کے چھوڑی جاتی ہے۔طریقِ ادا کی ذیل میں یہ آوازوں کا سب سے بڑا گروہ ہے اور اس گروہ میں سب سے زیادہ آوازیں پائی جاتی ہیں۔مثلاً، پ، پھ، ب، بھ، ک، کھ وغیرہ۔

۲۔صفیری آوازیں:۔

یہ وہ آوازیں ہوتی ہیں جن کی ادائیگی کے وقت سیٹی کی آواز نکلتی ہے۔مثلاً، س، ز، ش وغیرہ۔

۳۔پہلوی آوازیں:۔

ان کی ادائیگی میں سانس، زبان کے دونوں پہلوؤں سے خارج ہوتی ہے مثلاً، ل، لھ وغیرہ۔

۴۔مکرری یا ارتعاشی آوازیں:۔

ان آوازوں کی ادائیگی میں زبان میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے مثلاً، ر، ڑ، ڑھ وغیرہ۔

۵۔ انفی آوازیں:۔

ان آوازوں کی ادائیگی میں سانس ناک کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے آواز میں انفیت نمایاں ہو جاتی ہے مثلاً، م، مھ، ن، نھ وغیرہ۔

انفی آوازوں کے حوالے سے، اخبار اردو میں شائع ہونے والا مقالہ "اُردو زبان میں انگما کا وجود اور اس کا صوتی تجزیہ" کے عنوان سے ہے۔ انگما ایک مصمتی انفی آواز ہے۔ اس کے مقالہ نگار کاشف منیر اور طیبہ محسن ہیں۔ یہ مقالہ اُردو زبان میں غشائی انفی مصمتے، انگما /n/ کی موجودگی اور اس کی صوتی خصوصیات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس مقالے میں سمعیاتی اور صوتی تجزیے کی بنیاد پر انگما کا وجود بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> انگما /n/ ایک غشائی انفی مصمتہ ہے۔ جو کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ مقالہ انگما کے اُردو زبان میں وجود اور اس کے صوتی طرز عمل کو پرکھتا ہے۔ اُردو زبان کی خصوصیات پر تاحال کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا گیا۔ اُردو کے مصمتی اور مصوتی معیار کی عدم موجودگی، اُردو کمپوٹیشن میں رکاوٹ کا باعث ہے۔ یہ مقالہ اس ضمن میں ایک ادنیٰ سا قدم ہے۔۳۸

وہ لکھتے ہیں کہ کسی بھی زبان کے مصمتوں کو ان کے طریق تلفظ کی بنیاد پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ آوازیں زبان، دانتوں اور ہونٹوں کے ذریعے کوزہ دہن سے نکلتی ہوئی ہوا کے راستے میں رکاوٹ ڈال کر اسے تھوڑی دیر کے لیے بند کر کہ پیدا کی جاتی ہیں۔ اسی دوران اگر لہات کو گرا کر انفی کوزہ میں گونج پیدا کی جائے تو مصمتہ انفی بن جاتا ہے۔ ان انفی مصمتوں کی ادائیگی میں بندشی مصمتوں کی طرح منہ میں، سانس کو کسی مقام پر مکمل طور پر بند کر لیا جاتا ہے اور ہوا کی لہر صوتی پردوں میں ارتعاش پیدا کر کے انفی کوزے میں سے گونجتی ہوئی نکلتی ہے۔ انفی کوزے میں سے نکلنے والی اس آواز کو "انفی سرسراہٹ" کہتے ہیں۔ ان انفی مصمتوں کی درجہ بندی، ان مخارج تلفظ کی بنیاد پر کی جا سکتی ہے۔ انہی میں ایک انفی مصمتہ جس کی بندش غشائی مقام پر ہو، انگما /n/ کہلاتا ہے۔ انگما کے لیے کوزہ دہن کی بندشی حرکت، مسموع غشائی بندشی مصمتے سے مماثلت رکھتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی زبان کی بندشی حرکت بہت تیز ہونے کی وجہ سے کوزہ دہن میں مکمل

بندش پیدا ہوتی ہے۔ اسی مماثلت کی وجہ سے چند ماہرین لسانیات انگما /n/ کی جماعت بندی، "غشائی انفی بندشی مصمتہ" کے طور پر بھی کرتے ہیں۔

اسی کے بعد مقالہ نگار، انگما /n/ کے تلفظ اور ادائیگی کے مراحل بیان کرتے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اگر لہات گرا ہو نہ ہو تو گر جاتا ہے۔

۲۔ کوزہ دہن میں غشائی بندش کی وجہ سے ہوا کی لہر بغیر کسی رکاوٹ کے انفی کوزے سے گزر جاتی ہے۔

۳۔ کوزہ دہن کی بندش کے دوران ہوا، مسلسل پھیپھڑوں سے آتی رہتی ہے اور صوتی پردے عموماً بند حالت میں ہوتے ہیں اور ان میں ارتقائی کی وجہ سے ہوا کا اخراج انفی کوزے سے ہوتا ہے۔

۴۔ انفی مصمتے کے ختم ہونے پر کوزہ دہن کی بندش کو کھولا جاسکتا ہے۔ بہ شرطے کہ ایسی حرکت آگے آنے والے صوتیے کے لیے ناممکن ہو۔

۵۔ چونکہ انفی کوزے سے ہوا کے اخراج کی وجہ سے ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ اس لے بندش کھلنے سے پیدا ہونے والا برسٹ قابل سماعت نہیں ہوتا۔

۶۔ متحرک تلفظ کار، اگلے صوتیے کے لیے حرکت شروع کر دیتا ہے اور لہات اوپر چلا جاتا ہے بہ شرطے کہ حرکت اگلے صوتیے کے لیے ناممکن نہ ہو۔

انگما کے وجود کی حقیقت اور صوتی خصوصیات کے مطالعے کے لیے کی گئی اس تحقیق میں مقالہ نگاروں نے صوتی اور سمعیاتی تجزیے کا طریقہ کار اختیار کیا۔ صوتی تجربے میں الفاظ کے چناؤ میں مسموعی مصمتے اور ہائیہ پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ اسی طرح مسموعی فرق بھی پیدا کیا گیا اور اس کے لیے لثوی انفی مصمتے /n/ کے بعد مسموع /g/ اور غیر مسموعی مصمتہ /k/ آرہا ہو اور اسی طرح کی کچھ اور احتیاطیں بھی ملحوظ خاطر رکھی گئیں۔

ان منتخب شدہ الفاظ کے سمعیاتی تجزیے کے لیے تین مرد اور تین عورتیں یعنی 6 افراد کی ریکارڈنگ کی گئی اور ساتھ ہی ایک اور بات کا بھی خیال رکھا گیا کہ مقررین کا لہجہ "پنجابی اُردو" ہو اور ساتھ ہی صاف اور غیر انفی ہو۔ اس کے منتخب کیے گئے الفاظ کی ان مقررین سے ریکارڈنگ کے لیے ایسے ماحول کا انتخاب کیا گیا جو ہر قسم کے شور سے پاک ہو۔ ہر مقرر نے ایک جملے میں منتخب الفاظ بولے۔ لہجے کو حتی الوسع فطری رکھنے کے لیے

ایک بات کا خیال رکھا گیا کہ جملوں کو کسی ترتیب میں نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح ہر جملہ پانچ مرتب ریکارڈ کیا گیا۔ ریکارڈنگ کے سمعیاتی تجزیے کے لیے درج ذیل سافٹ ویئر استعمال کیے گئے۔

۱۔ ون سنوری ا۔۳

۲۔ پریٹ ۵۔۳۵۔۹۔۳

حاصل شدہ کوائف کے سمعیاتی تجزیے کے لیے صوتی لہروں میں برسٹ دورانیہ، مسموعی اور انفی عناصر کا جائزہ لیا گیا۔ اسی طرح ایل۔ پی۔ سی روٹس کی مدد سے انگما /n/ سے پہلے آنے والے مصوتے ادوار ثانیہ اور بینڈ وڈتھ (Bandwidth) کے اعداد و شمار بھی حاصل کیے گئے اور پھر ان حاصل شدہ کوائف کے اس سمعیاتی تجزیے کی روشنی میں اُردو میں انگما کے صوتی اصولوں کی نشان دہی کی گئی اور اس کے مخرج تلفظ، ہائیہ، مسموع اور انفی عناصر کے مدغم ہونے کا مطالعہ کیا گیا تا کہ اُردو میں انگما /n/ کے صوتی اصولوں کی نشاندہی کی جا سکتے ہیں۔ چنانچہ مقالہ نگار لکھتے ہیں:

> اُردو زبان میں جب بھی مسموع غشائی بندشی مصمتے /g/ یا /gh/ سے قبل لثوی انفی مصمتہ /n/ آتا ہے تو وہ انگما /n/ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔۔۔ اس کے برعکس جب غیر مسموع غشائی بندش مصمتے /k/ یا /kh/ سے قبل لثوی انفی مصمتہ /n/ آتا ہے تو صوتی لہروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انفی پٹی غشائی بندش کے دوران ہی ختم ہو جاتا ہے۔ انفی جوف کا کوزہ دہن کی بندش کے دوران ہی بند ہو جانا، انگما کی غیر موجودگی کی علامت ہے۔۳۹

یہاں ایک اور خاص بات بھی جو مقالہ نگاروں نے بیان کی وہ یہ ہے کہ یہ غشائی انفی مصمتہ انگما /n/ اپنے پیچھے آنے والے بنیادی مصوتے کی صوتی لہروں کے تجزیے سے ملتا ہے۔ بنیادی مصوتہ /a/ جزوی طور پر جبکہ باقی بنیادی مصوتے مکمل طور پر انفی ہو جاتے ہیں۔ اور اس مشاہدے سے ایک اور بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اُردو زبان میں موجود ہائیہ عنصر بھی، ان نتائج کو تبدیل نہیں کرتا اور ہائیہ مسموع غشائی بندشی مصمتے /gh/ سے پہلے لثوی انفی مصمتے /n/ آنے کی صورت میں یہ ہائیہ انگما /nh/ میں تبدیل ہو جاتا ہے جب کہ ہائیہ غیر مسموع غشائی بندشی مصمتے /kh/ سے پہلے لثوی انفی مصمتہ /n/ آنے کی صورت میں یہ انگما میں تبدیل نہیں ہوتا۔

ان تمام تجربات اور ان کے نتائج کو مد نظر رکھتے ہوئے مقالہ نگار اس نتیجے پر پہنچے کہ:

> انگما ایک ایسا انفی مصمتہ ہے جو کزہ دہن میں غشائی مقام پر بندش پیدا ہونے کی صورت میں بنتا ہے۔ اُردو زبان میں انگما کا وجود اقلی جوڑوں سے ثابت ہوتا ہے۔۔۔ پس انگما ایک علیحدہ صوتیہ ہے مگر اُردو میں صوتی ممانعت کے باعث کوئی رکن انگما سے شروع نہیں ہو سکتا۔ ۴۰

مجموعی طور پر مقالہ جامع اور معلومات سے پر ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس مقالے میں بھی، رسالے میں شامل بہت جسے دوسرے مقالہ جات کی طرح عقلی اور سائنسی دلائل سے اُردو زبان ایک نئے صوتیے کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو اگرچہ موجود تھا مگر اس سے پہلے کسی کا اس کی طرف دھیان نہیں گیا تھا۔ فاضل مقالہ نگاروں نے نا صرف یہ کہ اُردو میں انگما کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں۔

دہرے مصوتے:۔

اردو میں مجموعی طور پر دس مصوتے ہیں جن پر تمام ماہرینِ لسانیات متفق ہیں اور انہی دس کی انفیائی حالتوں کو ملا کر یہ تعداد بیس تک جا پہنچتی ہے۔ یہ مصوتے طویل بھی ہوتے ہیں اور مختصر بھی۔ اکثر زبانوں میں مصوتوں کے طول یا امتداد (Length) کو خاصی اہمیت حاصل ہے اور ان زبانوں میں ہر ایک مصوتہ اپنے طول ہی کی وجہ سے ایک دوسرے سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اردو میں اپنی بات نہیں ہے مگر یہاں بھی طویل اور مختصر مصوتے موجود ہیں جہاں طویل مصوتے میں، مختصر مصوتے کے مقابلے میں مختلف صوتی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ہے۔ لیکن بعض جگہوں پر کیفیت اس لیے بھی مختلف ہوتی ہے۔ طویل مصوتوں میں ایک ہی جیسے دو مختصر مصوتے ایک ہی سیلبل میں ادا کیے جاتے ہیں تو بدلے میں ایک طویل مصوتہ ملتا ہے لیکن جب دو مختلف مصوتے، ایک یہی سیلیبل میں ادا کیے جائیں تو بدلے میں جو مصوتہ سامنے آتا ہے اسے دہرا مصوتہ یا (Diphthong) کہتے ہیں۔ خلیل صدیقی اپنی کتاب "آواز شناسی" میں لکھتے ہیں:

> بہت سی زبانوں میں ایسی مصوتی اوازیں بھی ہوتی ہیں جن کی مصوتی خصوصیت، دورانِ ادا، اپنے صوتی سیاق وسباق کے زیرِ اثر بدل جاتی ہے۔ جب دو مسلسل مصوتے، ایک ہی سلیبل میں ادا کیے جاتے

ہیں تو نئی مخلوط مصوتی آواز وجود میں آ جاتی ہے جس کا
امتداد(Length)زیادہ ہوتی ہے۔ایسی آواز دہرا مصوتہ یا دو
صوتی مصوتہ (Diphthong) کہلاتی ہے۔۴۱

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے اپنے مضمون "اردو کا صوتی نظام" جو ان کی کتاب جامع القواعد میں شائع ہوا، میں مصوتوں کا ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے ان کے لیے "دو صوتے مصوتے" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔۔ان کے نزدیک اردو میں دہرے مصوتوں یا دو صوتے مصوتوں کی تعداد دو ہے۔دو صوتے مصوتوں کی تعریف کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

اگرچہ دوہرے مصوتے، مصوتوں کے مرکب ہیں لیکن ان کو منفرد
حرف سمجھا گیا ہے۔چناچہ دیوناگری اہم الخط میں بھی ان دو
صوتے مصوتوں کے لیے ایک ہی حرف استعمال کیا گیا ہے۔۴۲

ڈاکٹر گیان چند جین نے "عام لسانیات" میں دہرے مصوتوں پر روشنی ڈالی ہے ان کے مطابق جب دو مصوتے اکھٹے آئیں اور دونوں آپس میں اس طرح ملے ہوئے ہوں کہ ان کو ادا کرتے وقت نہ تو کہیں رکاوٹ پیدا ہو اور نا ہی سانس رلے بلکہ وہ دونوں ایک ہی کوشش میں اور سانس کے ایک ہی جھٹکے سے ادا ہو جائیں،اس صورت میں یہ دونوں مصوتے صوتی اعتبار سے ایک ہی رکن ہوتے ہیں اور انہیں "دہرا مصوتہ" کہتے ہیں۔ایسے مصوتوں کی ادائیگی میں زبان پہلے مصوتے کو مکمل طور پر ادا کیے بغیر، دوسرے مصوتے کے محل تلفیظ کی طرف اتنی نرمی سے چل دیتی ہے کہ موڑ کا احساس ہی نہیں ہوتا اسی طرح دوسرے مصوتے کو بھی مکمل طور پہ ادا نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے محل تلفیظ سے بھی قدرے پہلے رک جاتے ہیں۔یہ دہرے مصوتے تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ گراؤ دہرے مصوتے (Falling Diphthongs)
۲۔اٹھاؤ دہرے مصوتے (Rising Diphthongs)
۳۔ مسطح دہرے مصوتے (Level Diphthongs)

ان تینوں کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ اگر پہلا جزو رکنی یعنی نمایاں ہو اور دوسرا غیر رکنی یعنی غیر نمایاں ہو تو جو دہرا مصوتہ ادا ہو گا اسے گراؤ دہرا مصوتہ یا(Falling Diphthong) کہیں گے۔اردو اور انگریزی میں عموماً اسی طرح کے دہرے مصوتے پائے جاتے ہیں جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہونے کی

صورت میں یعنی پہلا رکن غیر نمایاں جب کہ دوسرا نمایاں ہونے کی صورت میں ادا ہونے والا دہرا مصوتہ، اٹھاؤ دہرا مصوتہ(Rising Diphthong) کہلاتا ہے۔ بعض اوقات دونوں مصوتے بیک وقت نمایاں یا غیر نمایاں ہوتے ہیں۔ اگرچہ ایسی حالت شاذونادر ہی ہوتی ہے۔ مگر بعض زبانوں میں ایسی حالت آ جاتی ہے اس صورت میں ادا کیا جانے والا دوسرا مصوتہ، مسطح دوسرا مصوتہ(Level Diphthong) کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے چند زبانوں میں تیسرے مصوتوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر اقتدار حسین نے اپنی کتاب "لسانیات کے بنیادی اصول" میں بھی دہرے مصوتوں کے حوالے سے ایک سیر حاصل بحث کی ہے۔ انہوں نے بھی دہرے مصوتوں کی کم و بیش وہی تعریف کی ہے جو سابقہ بحث میں بیان کی جاچکی ہے مگر انہوں نے اردو میں دہرے مصوتوں کی تعداد دو بیان کی ہے۔ جب کہ ان کے مطابق انگریزی میں ان کی تعداد نو ہے جو انہوں نے مثالوں کی مدد سے بیان کیے ہیں۔ اردو کے دہرے مصوتوں کی مثالیں حسبِ ذیل ہیں۔

(۲۱)مثال کئی

(۲۰)مثال موت

نیم مصوتے:۔

نیم مصوتہ در حقیقت دہرے مصوتے کا ہی ایک جزو ہوتا ہے۔ دوسرے مصوتے کی ادائیگی میں ایک مصوتہ تو مصوتے کے طور پر باقاعدگی سے ادا ہوتا ہے لیکن دوسرا مصوتہ مکمل طور پہ مصوتے کی طرح ادا ہونے کی بجائے کسی حد تک مصمتے کی طرح ادا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ادا ہونے والا مصوتہ "نیم مصوتہ" کہلاتا ہے۔ خلیل صدیقی نے اپنی کتاب "آواز شناس" میں اردو کے ایک ہی نیم مصوتے کا ذکر کیا ہے اور وہ ہے "ی" جو کئی، لیے، دیا وغیرہ جیسے دہرے مصوتوں میں استعمال ہوتا ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر گیان چند نے "عام لسانیات" میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض اوقات دہرے مصوتوں میں ایک رکن مکمل مصوتہ نہیں ہوتا بلکہ نیم مصوتہ ہوتا ہے۔ اردو اور انگریزی میں نیم مصوتہ، ہمیشہ دوسرا رکن ہوتا ہے جب کہ فرینچ، اطالوی اور اسپینی زبانوں میں یہ پہلا رکن ہوتا ہے۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے بھی اپنے مضمون "اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو" میں نیم مصوتے کی تعریف بڑی واضح انداز میں کی ہے۔ ان کے مطابق:

گو مصوتے اپنی ماہیت کے لحاظ سے مسموع آوازیں ہیں لیکن اگر کسی لفظ میں دو مصوتے جڑواں طور پر آجائیں تو اکثر و بیشتر ان میں سے ایک مسموع ہو گا اور دوسرا غیر مسموع۔ ایسے غیر مسموع مصوتوں کو نیم مصوتے(Semi Vowels) کہا جاتا ہے۔اردو میں بھی دو نیم مصوتے استعمال ہوتے ہیں"ی(Y)"اور "و(V)۔۴۳

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صوتیات میں بحث کی گئی آوازیں یا صوتیے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اَور دوسرے وہ جنہیں اس طرح کے ٹکڑوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ پہلی قسم کی آوازوں کو قطعاتی یا کسری صوتیے کہا جاتا ہے۔ اِن کی مزید دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جن کی ادائیگی میں سانس کو کسی مقام پہ رُکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ جنہیں "مصوتے" (Vowels) کہا جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے وہ جن کی ادائیگی میں سانس کو مُنہ میں مختلف مقامات پر رُکاوٹ کا سامنا کرنا پڑتا ہے اِنہیں "مصمتے "(Consonants) کہا جاتا ہے۔ کسی بھی زبان کی طرح اُردو میں بھی یہ دونوں قسم کی آوازیں پائی جاتی ہیں۔ مصوتے تعداد میں کم ہیں جبکہ مصمتے زیادہ۔

حوالہ جات: باب دوم

۱۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، لسانی مقالات (حصہ سوم)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص ۳۵

۲۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو، مشمولہ: اردو کے لسانی مسائل، مرتب: سید روح الامین، عزت اکادمی، گجرات، ۲۰۰۷ء، ص ۶۰

۳۔ ایضاً، ص ۶۱

۴۔ شرف الدین اصلاحی، اردو اور سندھی کے لسانی روابط، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۱۵۳

۵۔ ایضاً، ص ۱۶۰

۶۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، تشریحی لسانیات، فضلی سنز، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص ۷۷

۷۔ ایضاً، ص ۷۹

۸۔ خلیل صدیقی، زبان کا ارتقا، زمرد پبلی کیشنز، کوئٹہ، ۲۰۰۰ء، ص ۱۱۸

۹۔ اقتدار حسین خان، ڈاکٹر، لسانیات کے بنیادی اصول، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۵ء، ص ۲۸

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۵۹

۱۲۔ نصیر احمد خاں، اردو ساخت کے بنیادی عناصر، اردو محل پبلی کیشنز، نئی نئی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص ۹۰

۱۳۔ ایضاً، ص ۹۳

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۱۵۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد۔ حصہ صرف، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۴، ص ۱۷۱

۱۶۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو کا صوتی نظام اور تقابلی مطالعہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص ۱۴

۱۷۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، اردو لسانیات، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۶ء، ص ۴۸

۱۸۔ ایضاً، ص۴۹

۱۹۔ خلیل صدیقی، آوازشناسی، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۶ء، ص۴۹

۲۰۔ ایضاً، ص۶۰

۲۱۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، عام لسانیات، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص۱۰۹

۲۲۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو زبان اور لسانیات، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص۳۵۷

۲۳۔ عبدالسلام، ڈاکٹر، عمومی لسانیات۔ ایک تعارف، رائل بک ایجنسی، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص۶۸

۲۴۔ ایضاً، ص۱۰۹

۲۵۔ محبوب عالم خان، ڈاکٹر، اردو کا صوتی نظام، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص۴۲

۲۶۔ ایضاً، ص۴۴

۲۷۔ احمد عبدالرحمان / سلمان بشیر اعوان، بندشی مصوتے میں تغیر کی مقرر پر منحصر معلومات، مشمولہ: اخبارِ اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، شمارہ۶، جون ۲۰۰۳ء، ص۳۲

۲۸۔ ایضاً، ص۳۳

۲۹۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، لسانی جائزے، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص۵۸

۳۰۔ ایضاً، ص۸۷

۳۱۔ شان الحق حقی، لسانی مسائل ولطائف، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء، ص۱۵۴

۳۲۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، اردو لسانیات، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۶ء، ص۶۶

۳۳۔ مریم بشیر / فریحہ ضیا، اردو میں ہائیہ ر، ڑاور ل کا وجود، مشمولہ: اخبارِ اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، شمارہ۶، جون ۲۰۰۳ء، ص۱۳۸

۳۴۔ عدنان نثار / ذیشان باقر، ہائیہ مصمتوں کا اردو میں صوتیاتی برتاؤ، مشمولہ: اخبارِ اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، شمارہ۶، جون ۲۰۰۳ء، ص۸۷

۳۵۔ خلیل صدیقی، آوازشناسی، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۶ء، ص۶۱

۳۶۔ ایضاً، ص ۶۳

۳۷۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، عام لسانیات، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۵

۳۸۔ کاشف منیر / طیبہ محسن، اردو زبان میں انگما کا وجود اور اس کا صوتی تجزیہ، مشمولہ: اخبارِ اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، شمارہ ۶، جون ۲۰۰۳، ص ۹۵

۳۹۔ ایضاً، ص ۹۸

۴۰۔ ایضاً، ص ۹۸

۴۱۔ خلیل صدیقی، آواز شناسی، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۶ء، ص ۶۵

۴۲۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد۔ حصہ صرف، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۴، ص ۱۸۶

۴۳۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو، مشمولہ: اردو کے لسانی مسائل، مرتب: سید روح الامین، عزت اکادمی، گجرات، ۲۰۰۷ء، ص ۶۳

تیسرا باب: فوق قطعاتی / بالا کسری صوتیے اور دیگر مباحث:۔

ا۔ فوق قطعاتی / بالا کسری صوتیے (Supra Segmental Phonemes)

پچھلے باب میں مصوتوں، مصمتوں، دہرے مصوتوں اور نیم مصوتوں کا ذکر ہوا۔ یہ آواز کے وہ اجزا ہوتے ہیں جن کی تقطیع کی جا سکتی ہے یعنی انہیں چھوٹے چھوٹے اجزا میں تقسیم کیا جا سکتا ہے لیکن آواز کی چند خصوصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے بدلنے سے معانی اور کیفیت میں فرق پڑ جاتا ہے مگر ان خصوصیات کو تقطیع میں نہیں لایا جا سکتا یہ خصوصیات صوتی ہی ہوتی ہیں اس لیے ان کو صوتیے ہی قرار دیا جاتا ہے اگرچہ بعض ماہرین لسانیات انہیں محض نقوش قرار دیتے ہیں اور "اردو کے نقوش تلحین" یا "اردو کے نقوشِ امتداد" کا نام دیتے ہیں مگر اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ خصوصیات دراصل صوتیے ہی ہیں جن کی تقطیع ممکن نہیں اور وہ ان خصوصیات کو "بالا کسری صوتیے یا فوق قطعاتی صوتیے" کا نام دیتے ہیں اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اردو کے صوتیوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ کسری یا قطعاتی صوتیے (Segmental Phonemes)

۲۔ بالا کسری یا فوق قطعاتی صوتیے (Supra Segmental Phonemes)

پہلی قسم کے صوتیے پچھلے باب میں وضاحت کے ساتھ بیان کیے جا چکے ہیں۔ دوسری قسم کے صوتیوں کے بارے میں اس باب میں بحث کی جائے گی۔

ڈاکٹر گیان چند جین نے اپنی کتاب "عام لسانیات" میں فوق قطعاتی فونیم کا ذکر کیا ہے مگر خاص وضاحت کے ساتھ نہیں کیا۔ ایک مختصر سا تبصرہ کر کے آگے گزر گئے۔ اردو میں فوق قطعاتی یا بالا کسری صوتیوں کی تعداد کے ضمن میں انہوں نے انفیت اور مصوتے کے طول کو فوق قطعاتی فونیم قرار دیا ہے یعنی اردو میں صرف دو بالا کسری یا فوق قطعاتی صوتیوں کی موجودگی کا اقرار کیا ہے انگریزی میں چار جب کہ چینی زبان کی بعض بولیوں میں نو (۹) تک فوق قطعاتی فونیم ریکارڈ کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر محبوب عالم خان نے اپنی کتاب "اردو کا صوتی نظام" جو کہ ان کے پی ایچ ڈی کے مقالے کی کتابی شکل ہے، میں اردو میں فوق قطعاتی صوتیوں پر ایک سیر حاصل بحث کی ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے چار بنیادی فوق قطعاتی صوتیوں کی وضاحت کی ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ طوالت (Length)

۲۔ زور (Stress)

۳۔ تان (Tone)

۴۔ اتصال (Juncture)

ان چاروں بنیادی فوق قطعاتی صوتیوں کا ایک مفصل جائزہ لینے کے بعد اردو میں ان کے وجود کی بحث کی طرف آتے ہیں اور ان میں سے ہر بنیادی فوق قطعاتی صوتیے کے ساتھ ساتھ ان کے ذیلی فوق قطعاتی صوتیوں کے مصوتوں اور مصمتوں میں موجودگی پر مختلف عقلی اور نقلی دلائل دینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اردو میں ان چاروں بنیادی اور ان کے تمام ثانوی بالاکسری صوتیوں میں سے صرف دو، تان (Tone) اور اتصال (Juncture) ہی پائے جاتے ہیں اور یہ دونوں بھی اپنی تمام حالتوں میں نہیں پائے جاتے بلکہ ان کی بھی چند مخصوص حالتیں ہیں جو اردو میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ زبان کی جو خصوصیات عام طور پر فوق قطعاتی صوتیوں میں شمار کی جاتی ہیں وہ دراصل اردو کی عروضی خصوصیات ہوتی ہیں نا کہ فوق قطعاتی صوتیے۔

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے بھی اردو میں بالاکسری صوتیوں کی تعداد دو ہی بیان کی ہے مگر ان کے نزدیک یہ دو بالاکسری صوتیے تاکید اور وقفہ ہیں۔ اپنے مضمون "اردو کا صوتی نظام" میں وہ لکھتے ہیں:

> رکن کی ترتیب میں اقل ترین وصلی یا فصلی وقفے سے بھی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً آپا جی تین رکنی ترتیب ہے۔ اگر تینوں رکنوں میں درمیانی وقفہ صوتی اعتبار سے یکساں ہو تو اس کا مفہوم کچھ اور ہے اور اگر پہلے رکن اور بقیہ دو رکنوں میں فصلی وقفہ آ جائے تو اس کی صورت آ + پا بی ہو جائے گی۔ جس کا مفہوم بالکل الگ ہو گا۔ صوتیے کی تعریف کے مطابق اس قسم کے فصلی وقفے کو بھی ایک صوتیہ ہے جس کو ہم بالاکسری صوتیہ کہتے ہیں۔ ۲

خلیل صدیقی نے بھی اپنی کتاب "آواز شناسی" میں بالاکسری صوتیوں کا سرسری سا ذکر کیا ہے۔ اور ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کے حوالے سے ہی ذکر کیا ہے۔ بالاکسری یا فوق قطعاتی صوتیوں پر ڈاکٹر اقتدار حسین نے بھی بہت عمدگی سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک فوق قطعاتی صوتیوں میں سے تین صوتیے باقی صوتیوں

سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں جن کی انہوں نے فرداً فرداً وضاحت بھی کی ہے۔ وہ تین فوق قطعاتی صوتیے حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ بل (Stress)

تنفسی بہاؤ میں اچانک آنے والا وہ زور جس کی وجہ سے ایک صوت رکن دوسرے صوت رکن کے مقابلے میں زیادہ زور سے بولا جاتا ہے، بل (Stress) کہلاتا ہے۔ عام طور پر یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ ہر لفظ جو دو یا اس سے زیادہ صوت رکن (Syllables) پر مشتمل ہو، ان میں سے ایک صوت رکن دوسرے صوت رکن کے مقابلے میں زیادہ زور سے بولا جاتا ہے۔

ڈاکٹر اقتدار حسین خان کے مطابق بل (Stress) تقریباً ہر زبان میں پایا جاتا ہے مگر ہر زبان میں اس کا درجہ یا حیثیت مختلف ہوتی ہے جیسے اُردو میں "بل" کو صوتیاتی حیثیت حاصل ہے یعنی "بل" کے فرق یا غلط استعمال سے صرف تلفظ بگڑتا ہے، معنی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ لیکن انگریزی میں بل (Stress) کو فونیمی حیثیت حاصل ہے یعنی اس کے فرق یا غلط استعمال سے نا صرف تلفظ بگڑتا ہے بل کہ معنی میں بھی فرق آجاتا ہے۔ انگریزی میں بل (Stress) کی مختلف سطحیں ہیں۔

۲۔ اتصال (Transition or Juncture)

دوسرا اہم فوق قطعاتی صوتیہ اتصال کہلاتا ہے۔ اس سے مراد وہ اصول و قواعد ہیں جن کے مطابق روز مرّہ بات چیت میں مختلف صوتیوں کے درمیان وقفہ دیا جاتا ہے یا انہیں ایک دوسرے سے ملا کر پڑھا یا بولا جاتا ہے۔ کیوں کہ بعض اوقات دو دو الفاظ کے درمیان وقفہ نہ کرنے یا کم وقفہ کرنے کی وجہ سے لفظ ہی بدل جاتا ہے مثلاً:

آج آ

جب بار

کل آئی وغیرہ

اتصال کی بھی مزید کئی سطحیں ہوتی ہیں۔

۳۔سُر لہر:۔(Intonation)

بعض الفاظ یا جملوں کے مختلف انداز سے بولے جانے پر ان میں موجود جذبات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان کے معانی میں فرق آ جاتا ہے۔مثال کے طور پر ایک ہی لفظ "اچھا" کو مختلف انداز سے بولنے پر اس میں خوشی، حیرت، غصہ اور اعتدال اور عدم اہمیت پانچ قسم کے جذبات کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔لازمی امر ہے کہ انداز اور جذبات بدلنے سے معانی پہ بھی فرق پڑتا ہے۔

لہجے کا یہ اتار چڑھاؤ حلق(Glottis) سے نکلنے والے سر(Tone) کو بدلنے سے پیدا ہوتا ہے۔اس عمل کو سُر لہر(Intonation) کہا جاتا ہے۔سُر لہر ایک فوق قطعاتی صوتیہ ہے۔جو تقریباً دنیا کی ہر زبان میں پایا جاتا ہے۔انگریزی اور اردو میں اس کی چار مختلف سطحیں ہیں جنہیں نچلے سے لے کر سب سے بلند تک ۱، ۲، ۳، ۴ سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

بالکل اسی طرح ہی کی ایک جامع اور تفصیلی بحث، بھی موجود ہے۔چوں کہ وہاں بھی یہ بحث تقریباً اسی طرح کی ہے یعنی کوئی خاص ردوبدل نہیں اس لیے اس کا محض حوالہ دینا ہی مناسب لگتا ہے۔

اخبار اردو میں اس حوالے سے شائع ہونے والے مقالے کا عنوان "اردو کے نقوش تلحین کا تجزیہ" ہے۔اس کی مقالہ نگار رابعہ نیئر اور فاطمہ گل مدنی ہیں۔زیرِ نظر مقالے میں اردو کے نقوش تلحین کا ایک تجزیاتی تجزیہ کیا گیا ہے۔تجزیاتی تجزیے سے پہلے انہوں نے نقوش تلحین کا ایک مختصر سا تعارف کا جائزہ پیش کیا ہے۔جس کے مطابق دنیا کی کوئی بھی زبان، ایک ہی سُر میں نہیں بولی جاسکتی۔ہر زبان میں ایک تغیر و امتداد ہوتا ہے جو بولنے والے کے لہجے کے زیر و بم میں یہ بخوبی سنا جاسکتا ہے۔کبھی کبھی تغیر و امتداد کی یہ تبدیلیاں زبان کا سُر کہلاتی ہیں لیکن عام طور پر ان تبدیلیوں کو "نقوش امتداد" یا "نقوش تلحین" کہا جا سکتا ہے۔چونکہ سُر کا یہ اُتار چڑھاؤ، خیالات کے اظہار میں، خاص تائید اور اعلانیہ اور استفہامیہ جملوں میں فرق کو ظاہر کرتا ہے اور اسی اتار چڑھاؤ کی وجہ سے ہی سامع دوسروں کی گفتگو میں معنی کے باریک اور معمولی سے تضاد کو پہچان لیتے ہیں۔اِسی لیے دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص مقامی زبان کا ماہر نہ ہو اَور وہ ہر لفظ واضح کر کہ بولے مگر نقوش تلحین واضح نہ کرے تو معنی واضح نہیں ہو گا۔اسی طرح ایک خطیب، اپنے جذبات اور خیالات کے اظہار کے لیے نقوش تلحین کا استعمال کرتا ہے۔چنانچہ مقالہ نگاروں نے تلحین کو خطیب کے احساسات یا جذبات جیسے غصہ، خوشی، استفہام، استعجاب وغیرہ کے لیے استعمال ہونے والی قدر قرار دیا ہے۔

آگے چل کر وہ تلحین پر ہونے والی مختلف بحثوں کو بیان کرتے ہوئے انگریزی تلحین کے بیان اور وضاحت کے لیے "ٹوبی" (Tobi) کے نظام میں بیان کیے گئے تین پہلوؤں تلفظ امتداد، فقرے کا لہجہ اور احاطہ کا تجزیہ کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو بلند یا پست سر سے بیان کیا جا سکتا ہے مگر کم سے کم ہر فقرے کے لیے کسی ایک قسم کے سر کی موجودگی لازم ہے۔ اُردو تلحین کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اُردو میں بہت سے دلچسپ نقوش تلحین ہیں۔ تلحین، خطیب کے احساسات یا جذبات جیسے غصہ، خوشی، استفہام، استعجاب وغیرہ کے اظہار کے استعمال ہوتی ہے۔ اُردو میں تلحین کی ایک اہم خصوصیت دباؤ ہے جو کہ کسی جملے کے اہم نقاط کی نشاندہی کرتا ہے۔ ۵

زیر نظر مقالے میں مقالہ نگاروں کا مقصد اُردو کے مختلف اعلانیہ اور استفہامیہ جملوں کے نقوش تلحین کا تفصیلی تجزیہ کرنا ہے اسی کے ساتھ ساتھ جنسی فرق کی وجہ سے، دو سے زیادہ ہجائی الفاظ رکھنے والے اعلانیہ اور استفہامیہ جملوں کے تغیر امتداد اور اساسی ارتعاش کے دورانیہ کی تبدیلی اور تفہیم شدہ نقوش پیش کرتا ہے۔ تلحین کی تعریف میں وہ مزید لکھتے ہیں:

> تلحین کو کسی بھی زبان کا ایک عروضی خدوخال بھی کہا جاتا ہے۔ عروضی خدوخال ایک اجتماعی اصطلاح جو کہ امتداد میں تغیر، جہر الصوت، موسیقی اور تال کی توضیح کرتی ہے۔ یہ تمام اصطلاحات، تلحین، زور اور تال میں موجود ہوتی ہیں۔ ٦

مقالہ نگاروں کے مطابق دنیا کی مختلف زبانیں، مختلف انداز میں جذبات اور معنی کی تبدیلی کو پیش کرتی ہیں۔ وہ فرنچ اور چائنیز زبان کی مثال دیتے ہیں کہ اول الذکر میں تعامل اور الفاظ کی ترتیب کو بدل کر اہم تبدیلی ظاہر کرتی ہے جبکہ آخر الذکر امتداد میں فرق کر کہ مختلف ذخیرہ الفاظ کی نشاندہی کرتی ہے۔ مگر اسی طرح اُردو میں ایسے بہت سے نقوش تلحین مثلاً استفہامیہ، اعلانیہ، بے یقینی، تھکن، تسکین اور استعجاب وغیرہ موجود ہیں جو کہ جملے کو مختلف معانی دیتے ہیں اور جملے میں موجود مختلف الفاظ پر زور دے کر یہ تمام نقوش تلحین واضح کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً اگر استفہامیہ الفاظ مثلاً کیوں، کیا، کیسے، کب، کہاں وغیرہ کسی جملے میں موجود نہ بھی ہوں تو جملے میں کسی نہ کسی لفظ پر زور دے کر استفہامی معانی پیدا کیے جا سکتے ہیں اور اس طرح اعلانی اور استعجابی اور اس جیسے دوسرے مفاہیم بھی پیدا کیے جا سکتے ہیں۔

زیر نظر تحقیق میں مقالہ نگاروں نے ایک جملہ "شہلہ انار لائی ہے" کو منتخب کر کے ان میں اعلانیہ اور استعجابیہ مفاہیم پیدا کیے ہیں۔ جملوں کی ادائیگی کے لیے چھ اشخاص کو منتخب کیا گیا۔

جملے کو دوبار اعلانیہ معنی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے اور "شہلہ" اور دوسرے میں "انار" پر زور دیا گیا جب کہ دوبار اس جملے کو استفہامیہ معانی و مفہوم بیان کرنے کے لیے استعمال کیا گیا اور الفاظ "لائی" اور انار پر زور دیا گیا۔ جملے کچھ یوں ہیں:

اعلانیہ ا: **شہلہ** انار لائی۔

اعلانیہ ۲: شہلہ **انار** لائی۔

استفہامیہ ا: شہلہ انار **لائی**؟

استفہامیہ ۲: شہلہ **انار** لائی؟

تین مرد اور تین خواتین مقررین میں سے ہر ایک کو تین تین مرتبہ جملہ دھرانا تھا۔ ماحول اور دوسرے تمام عوامل کو بھی یکساں رکھا گیا اور تمام ریکارڈنگ مرکز تحقیقات اُردو (Crulp) میں کی گئی اور پھر ان تمام ریکارڈنگز کی صوت بندی، تجزیہ اور اسلوب ترتیبی کے آلے "پرات" (Praat) کے ذریعے علم صوتیہ اور علم آواز کے لحاظ سے تجزیہ کیا گیا۔ اسی طرح کے دوسرے تجزیاتی مراحل سے گزرتے ہوئے علم صوتیات کے حوالے سے تلحین کے سر اور تسلسل کا تجزیہ بھی کیا گیا اور پست اور بلند سر کو جملے کے مختلف ہجوں پر نقش کیا گیا اور پھر تسلیم شدہ ہجوں کا نقش نکالا گیا

تمام تجربات اور نتائج کو مدر کھ کر مقالہ نگاروں نے یہ رائے دی:

> اخد شدہ نتائج سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اعلانیہ جملوں کے لیے مردوں کی اساسی تعدد ارتعاش اوسطاً خواتین مقررین سے ۵۰ ہرٹز جبکہ استفہامیہ جملوں کے لیے ۱۰۰ ہرٹز کم ہے۔ اس کے علاوہ مردوں کی اساسی تعداد ارتقاش کا دورانیہ مردوں سے چند ملی سیکنڈ ہے۔ ۷

اس کے علاوہ انہوں نے یہ نتیجے بھی نکالے کہ اعلانیہ جملوں کے لیے مرد اور خواتین مقررین نے اوسطاً "پست بلند پست" نمونہ پیش کیا جب کہ استفہامیہ جملوں کے لیے دو قسم کے نمونے سامنے آئے۔

ا۔ اگر استفہامی معلومات جملے کے آخر میں تھیں تو "پست بلند پست بلند" نمونہ دیکھنے میں آیا۔

۲۔ اگر استفہامی معلومات جملے کے بیچ میں تھیں تو "پست بلند" تواتر دیکھنے میں آیا۔

اسی طرح مرد مقررین کی اساس تعداد ارتعاش اور دورانیہ، خواتین مقررین سے کم تھا۔ جبکہ ان کے نقوش تلحین میں کوئی فرق نہیں پایا گیا۔ اس کے علاوہ ایک نتیجہ جو فاضل مقالہ نگاروں نکالا وہ یہ تھا کہ کسی جملے کے تعامل شدہ لفظ کا ایک ہی جس میں صوت موجود ہو، اس کا تعداد ارتعاش ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں امتدادی نقطہ بھی رونما ہوتا ہے۔

۲۔ سمعی صوتیات (Auditory Phonetics)

آواز کی ترسیل کے عمل کے تین حصے ہوتے ہیں۔

1۔ کہنے والے کے اعضائے تکلم آواز پیدا کرتے ہیں۔

2۔ آواز لہروں کی شکل میں ہوا میں سفر کرتے آگے بڑھتی ہے۔

3۔ سننے والے کے کان آواز کی ان لہروں کو پکڑتے ہیں۔

پہلے دو عمل صوتیات کی دو اہم شاخوں کو جنم دیتے ہیں۔

1۔ تلفیظی صوتیات (Articulatory Phonetics)

2۔ سمعیاتی صوتیات (Acoustic Phonetics)

پہلی شاخ عام طور پر صوتیات کے زیرِ مطالعہ ہے اور اس ضمن میں اردو میں کچھ نہ کچھ تحقیق میسّر آ جاتی ہے۔ دوسری شاخ کے حوالے سے بھی کسی نہ کسی حد تک تحقیق موجود ہے مگر بد قسمتی سے تیسرے عمل یعنی سننے والے کے کان کے آواز کی لہروں کو پکڑنے کا مطالعہ کرنے کے لیے علمِ صوتیات کی ایک تیسری شاخ جسے سمعی صوتیات (Auditory Phonetics) کے حوالے سے کسی قسم کا کوئی تحقیقی کام اردو میں نہیں ملتا۔ ڈاکٹر عبد السلام نے اپنی کتاب عمومی لسانیات میں جہاں صوتیات کی پہلی دونوں شاخوں کو کسی حد تک وضاحت سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے وہیں اس تیسری شاخ سے مکمل طور پر پہلو تہی برتی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے بھی اگرچہ سرسری طور پر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ صوتیات کی اس تیسری شاخ کو کما حقہ توجہ نہیں دی گئی وہیں انہوں نے خود بھی اس کی طرف کوئی توجہ دینے کی بجائے دوسری شاخوں کا ہی ذکر کرنا

مناسب سمجھا اور اس تیسری شاخ کا نام تک ذکر کرنا گوارا نہ کیا۔ یہ دو کتابیں ایسی ہیں جہاں کسی نہ کسی صورت میں صوتیات کی کم از کم ان دو شاخوں کو کسی حد تک بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے ورنہ باقی تمام کتابوں میں تلفیظی صوتیات (Articulatory Phonetics) ہی کے حوالے سے تمام تحقیق شامل ہے۔

لسانی تغیرات (Linguistic Variations)

اس دنیا میں مختلف اقوام، خاندان اور قبائل آباد ہیں۔ ان کی رہائش گاہیں مختلف مقامات ہیں جو براعظم خطے اور ممالک کہلاتے ہیں۔ ان مقامات میں کسی نہ کسی وجہ سے کوئی نہ کوئی تبدیلی اور تغیر وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے اور ان علاقوں کے مکین ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے رہتے ہیں۔ ہر علاقے یا خطے میں مختلف النوع زبانیں بولی جاتی ہیں اور افراد کی نقل مکانی کے ساتھ ساتھ ان کی زبانیں بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

افراد کی نقل مکانی، تہذیب و ثقافت پر اور زبانوں کی نقل مکانی زبانوں پر اثر انداز ہوتی ہے جس کی وجہ سے زبانوں میں تغیر و تبدل کا عمل جاری رہتا ہے۔ یوں اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو زبانوں میں آنے والے تغیرات کے چند اسباب درج ذیل ہیں۔

۱۔ تلاش معاش کی خاطر قوموں اور قبیلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرنا یا بغرضِ تجارت آنا جانا۔

۲۔ خانہ بدوش قبائل کی آمد و رفت اور عارضی قیام۔

۳۔ مذہبی مبلغین کا تبلیغ کی غرض سے مختلف علاقوں میں جانا جہاں ان کی زبانوں سے مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔

۴۔ سیاحوں کا سیاحت کی غرض سے گھومنا پھرنا۔

۵۔ ملک گیری کے لیے ایک قوم یا قبیلے کا دوسری قوم یا قبیلے پر حملہ کر کہ وہاں اپنی حکومت قائم کرنا۔

۴۔ طالب علموں کا حصولِ علم یا محققین کا تحقیق کی غرض سے اپنے علاقے کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانا۔

یہ تمام اور ان کے علاوہ بھی بہت سی ایسی وجوہات ہیں جو زبانوں میں مختلف تغیرات کا سبب بنتے ہیں اور یوں زبان عہد بہ عہد اور قریہ بہ قریہ، تغیر اور تبدیلی کے مختلف مراحل طے کرتی آگے بڑھتی ہے اور ارتقا کی منازل طے کرتی ہے۔

یوں زبانوں میں آنے والے تغیرات کو بنیادی طور پر دو قسم کے تغیرات میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اندرونی تغیرات

۲۔ بیرونی تغیرات

اول الذکر سے مراد، مرورِ ایام کے ساتھ کسی زبان کے الفاظ کی ادائیگی، ترسیم یا تذکیر د ثانیت میں پیدا ہونے والا تغیر ہے۔ اور یہی تغیر مکانی بھی ہو سکتا ہے یعنی ایک ہی زبان کے الفاظ کی ادائیگی ترسیم اور تذکیر و ثانیت مختلف وقتوں کے ساتھ ساتھ مختلف جگہوں پر مختلف ہو جاتی ہے۔

جب کہ ثانی الذکر سے مراد، مختلف اوقات یا مختلف جگہوں پر کسی زبان پر کسی دوسری زبان کے اثرات آجانا چاہیے وہ اثرات قواعد کی صورت میں ہوں، چاہے الفاظ کی صورت میں چاہے آوازوں اور حروف تہجی کی صورت میں۔

اندرونی اور بیرونی تغیرات کی اس بحث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، تغیرات کی ایک اور تقسیم بھی سامنے آتی ہے یعنی

۱۔ زمانی تغیرات

۲۔ مکانی تغیرات

اس طرح ہم اندرونی اور بیرونی تغیرات کو ذیل کی اقسام میں منقسم کر سکتے ہیں۔

۱۔ زمانی اندرونی تغیرات

۲۔ مکانی اندرونی تغیرات

۳۔ زمانی بیرونی تغیرات

۴۔ مکانی بیرونی تغیرات

پروفیسر گیان چند جین لکھتے ہیں:

> زمانی تبدیلی میں ہم ایک زبان کو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ ہزار پانسو سالوں میں تبدیلیوں کی میزان اتنی ہو جاتی ہے کہ زبان کا پہلا رنگ روپ ختم ہو کر دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔۔۔۔۔ تبدیلی اور اختلافات کی دوسری وجہ جغرافیائی ہے۔ ہم

ایک علاقے سے کسی دوسرے کی طرف کو سفر کریں تو بولیاں اور
زبانیں بدلتی دکھائی دیں گی۔۸

زبانوں میں وقوع پذیر ہونے والے ان تغیرات کی کئی نوعیتیں ہو سکتی ہیں۔ کبھی کسی لفظ کی ادائیگی میں فرق آجاتا ہے۔ کبھی اور کہیں ترسیم میں۔ کبھی اور کہیں اس کی تذکیہ و ثانیت میں اور کبھی اور کہیں اس کے معانی میں۔ اسی طرح زبان کے صرفی اور نحوی اصول اور قواعد میں بھی زمانی اور مکانی، اندرونی اور بیرونی تغیرات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

اس بحث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بیان کیے گئے چاروں تغیرات کو مزید چار چار اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ صوتی اور فونیمی تغیرات
۲۔ صِرفی تغیرات
۳۔ نحوی تغیرات
۴۔ معنوی تغیرات

یہ تمام تغیرات، عام طور پر دو اصولوں کے تحت وقوع پذیر ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ مماثلت:

کسی زبان میں الفاظ کی بناوٹ کے طریقہ کار اصول یا سانچوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس طرح انہیں سانچوں پر دوسرے الفاظ اور تراکیب وضع کر لینا مماثلت کہلاتا ہے۔

۲۔ عاریت:

وہ اصول، روپ یا سانچے جو دوسری زبانوں سے، اپنی ہی زبان کے قدیم رویوں سے یا اپنی ہی زبان کی کسی دوسری بولی سے استعار لیے جاتے ہیں۔ اس عمل کو "عاریت" کہا جاتا ہے۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ مماثلت داخلی عاریت ہے اور عاریت، خارجی عاریت۔

ذیل میں فرداً فرداً، تغیرات کی ان تمام اقسام کا جائزہ لے کر ان کی مثالیں اور اسباب بیان کیے جائیں گے۔

۱۔ صوتی یا فونیمی تغیرات:۔

زمان و مکان کے حالات کے مطابق کسی بھی زبان میں جو تغیرات وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں ان میں سب سے بڑا اور اہم تغیر، صوتی یا فونیمی تغیر ہے۔ اگر ہم مجموعی طور پر زبانوں کا مطالعہ کریں گے تو یہ تغیر صوتی تغیر کہلائے گا اور اگر کسی مخصوص زبان کو مدِ نظر رکھ کر کریں گے تو فونیمی تغیر کہلائے گا۔ اس سے مراد، کسی بھی وجہ سے الفاظ کی ادائیگی میں فرق آجائے۔

صوتی یا فونیمی تغیر، سب سے اہم اور بڑا تغیر ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور اپنی کتاب ہندوستانی لسانیات میں رقم طراز ہیں۔

> تاریخِ السنہ میں صوتی تبدیلیوں اور ارتقا کو اس لیے سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے کہ زبان کی دوسری اکثر تبدیلیاں اور ارتقاء کم و بیش اسی کے تحت ہوتے ہیں۔۹

اس ضمن میں وہ ایک بڑی مثال اُردو لفظ "سے" کی دیتے ہیں جو تقریباً دو ڈھائی سو سال پہلے ولی اور اس کے ہم عصروں کے ہاں "سیں" یا "سوں" کی شکل میں رائج تھا اور اس سے تقریباً پچاس ایک سال پہلے "ستے" اور "ستیں" کی شکل میں۔ اسی طرح تھوڑا اور پیچھے جائیں تو یہ "تے" اور اس سے پہلے "تھے" اور "تھیں" کی شکل میں نظر آتا ہے۔

یہ تغیر صرف زمانی ہی نہیں مکانی بھی ہوتا ہے یعنی مختلف علاقوں میں ایک ہی لفظ مختلف انداز سے ادا کیا جاتا ہے۔ صوتی تغیر کی کئی شکلیں ہیں جن میں اہم درج ذیل ہیں۔

۱۔ تماثل:

جب ایک آواز دوسری آواز سے متاثر ہو کر بدل جاتی ہے تو اسے مماثل کہتے ہیں مثلاً لفظ "عروض" اور "حضور" عربی میں پہلے حرف پر زبر اور دوسرے اور "حضور" عربی میں پہلے حرف پر زبر اور دوسرے پر پیش کے ساتھ ہیں مگر اُردو میں دوسری حرکت کی وجہ سے پہلے حرف پر بھی پیش لگا کر پڑھے جاتے ہیں۔

۲۔ تخالف:

اگر کسی آواز کا تکرار ہو رہا ہو یا دو یکساں آوازیں آجائیں تو ان میں سے ایک کو بدل دینے کو تخالف کہتے ہیں۔ مثلاً لفظ ڈھونڈنا اصل میں ڈھونڈھنا تھا۔

۳۔ تقلیب:

کسی لفظ میں دو آوازوں یا آوازوں کے ایک گروہ کا اپنی جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا مثلاً تمغہ سے تغمہ، جنرل سے جرنل، مطلب سے مطبل، نئی دہلی سے دہلی، قلفی سے قلفی، جانور سے جناور۔

۴۔ اسقاط یا حذف:

کسی آواز یا صوتِ رکن کا حذف کر دینا یا گرا دینا، اسقاط یا حذف کہ لاتا ہے مثلاً افسوں سے فسوں، اناج سے ناج، افسانہ سے فسانہ امیر سے میر۔

۵۔ اضافہ:

سقوط کی طرح کچھ آوازوں کا اضافہ بھی ہوتا ہے مثلاً انگریزی کے الفاظ "سکول" اور "سٹیشن" اُردو میں "اسکول" اور "اسٹیشن" ہو گئے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ اسقاط اور اضافہ دونوں، صرف لفظ کے شروع میں ہی نہیں وقوع پذیر ہوتے بلکہ وسط اور آخر میں بھی ہو سکتے ہیں مگر اس کی مثالیں اُردو میں عام طور پر نہیں ملتیں ہاں سنسکرت، اوستا اور لاطینی وغیرہ زبانوں میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

۲۔ صرفی تغیر:

صرفی تبدیلی سے مراد، الفاظ کی بناوٹ میں تبدیلی ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر گیان چند جین لکھتے ہیں:

> مارفیمی (صرفی) تبدیلی سے مراد تصریف اور استخراج کے قاعدوں کی تبدیلی ہے۔ نئے مارفیموں کا اضافہ یا بعض مارفیموں کا ترک اس کے تحت نہیں آتا۔ مارفیمی تبدیلی کا صوتی تبدیلی سے گہرا تعلق ہے۔۱۰

مثال کے طور پر "لینا" اور "دینا" سے ماضی، "لیا" اور "دیا" آتا ہے اور امر، "لیجئے" اور "دیجیے"۔ اسی کو مد نظر رکھ کر کرنا سے چوں کہ ماضی کیا آتا ہے تو امر کیجئے کر دیا گیا حالاں کہ یہ "مرنا" سے "مریے" کے مصداق "کریے" ہونا چاہیے تھا۔

اسی طرح جمع بنانے کا طریقہ قدیم میں، لفظ کے آخر میں "ان" لگانا تھا مثلاً بات سے باتاں، رات سے راتاں مگر مرورِ ایام کے ساتھ یہ بدل گیا ہے اور اب لفظ کے آخر میں "وں" لگایا جاتا ہے۔ مثلاً بات سے "باتوں" بنادیا جاتا ہے۔

۳۔ نحوی تغیر:

نحوی تبدیلی سے مراد جملے کی ساخت اور قواعد میں رونما ہونے والی تبدیلی ہے جو ایک بہت بڑی تبدیلی ہے اور اس کی مثالیں بہت ہی کم ملتی ہیں۔ جیسا کہ پروفیسر گیان چند جین لکھتے ہیں:

> نحو میں تبدیلی بہت شاذ ہے۔ نحو کے بدلنے کے معنی زبان کا ڈھانچہ یہ بدلنا ہے۔ نحو کی تبدیلی اس وقت ہو سکتی ہے جب ایک مادر زبان بدلتے بدلتے دختر زبان کی حیثیت اختیار کر جائے۔ ۱۱

نحوی تغیر کے اہم اسباب میں دوسری زبانوں کا اثر، مماثلت اور صوتی تبدیلی ہیں۔ جن میں سب سے اہم دوسری زبانوں کا اثر ہے اور یہ اس وقت زیادہ محسوس ہوتا ہے جب ہم دوسری زبانوں سے تراجم کرتے ہیں۔

۴۔ معنوی تغیر:

وقت یا جغرافیے کے بدلنے کی وجہ سے کسی لفظ کے معنی میں آنے والی تبدیلی معنوی تبدیلی کہلاتی ہے مثلاً قدیم دور میں لفظ "رنڈی" عورت کے لیے استعمال ہوتا تھا مگر اب یہ لفظ طوائف کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح لفظ "اوقات" عربی کا ہے جو عربی میں "وقت" کی جمع ہے جب کہ یہی لفظ اُردو میں "حیثیت" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض الفاظ اپنے محلِ استعمال کی وجہ سے بھی اپنے معنی میں تبدیلی پیدا کر لیتے ہیں مثلاً: خبردار جو کوئی حرکت کی۔ یہاں "حرکت"، "شرارت" کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے جو اس کے اصل معنی اور مفہوم سے بہت دور ہے۔ مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو زبانیں، تغیرات کے ایک وسیع عمل سے گزر کر حال تک پہنچتی اور وہی زبانیں زندہ رہتی اور زندہ کہلائی جاتی ہیں جو ارتقا کے لیے تغیرات اور تبدیلیوں کو قبول کرتی ہیں۔ بہ صورتِ دیگر، زبان مردہ ہو کر ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ صرف وہی زبان زندہ رہتی ہے جو گزرتے اور بدلتے وقت تقاضوں سے خود کو ہم آہنگ کرنے کے لیے مختلف تغیرات اور تبدیلیوں کو اپنے دامن میں جگہ دے دے۔

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قابلِ تقطیع آوازوں کے علاوہ کچھ آوازیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی تقطیع نہیں کی جاسکتی۔ یہ آوازیں بھی صوتیات اور فونیمیات کا موضوعِ بحث ہیں۔ بظاہر اِنہیں آوازیں قرار دیا جاتا ہے مگر حقیقت میں یہ آوازیں نہیں بلکہ آوازوں کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں جو مختلف عوامل کی صورت میں اُن میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اِنہیں "فوق قطعاتی یا بالا کسری صوتیے" کہا جاتا ہے۔ ایک اور نام "نقوشِ تلحین" بھی دیا جاتا ہے۔ اِن میں سے چند خصوصیات ہی اُردو میں پائی جاتی ہیں۔ اِس کے علاوہ اُردو میں صوتیات کی ذیلی شاخوں کے حوالے سے اُردو میں کسی قسم کی تحقیق کا نہ ہونا بھی اِسی بحث کا حصہ ہے۔ اَور اُردو میں وقوع پذیر ہونے والے لسانی تغیرات بھی اِسی بحث میں شامل کیے گئے ہیں۔

حوالہ جات: باب سوم

۱۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، عام لسانیات، ترقی اردو بیورو، نئی نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۸۱

۲۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد۔ حصہ صرف، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۱۴۴

۳۔ اقتدار حسین، ڈاکٹر، صوتیات اور فونیمیات، ایجوکیشنل نک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۵ء، ص ۷۶

۴۔ اقتدار حسین، ڈاکٹر، لسانیات کے بنیادی اصول، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۵ء، ص ۸۷

۵۔ رابعہ نرز / فاطمہ گل مدنی، اردو کے نقوش تلخین، مشمولہ: اخبار اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، جون ۲۰۰۳ء، ص ۳۶

۶۔ ایضا، ص ۳۸

۷۔ ایضا، ص ۳۹

۸۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، عام لسانیات، ترقی اُردو، بیورو، نئی نئی دہلی، ۱۹۸۵، ص ۳۳۔

۹۔ محی الدین قادری، ڈاکٹر، ہندوستانی لسانیات، شمس الاسلام پریس، دکن، ۱۹۳۲، ص ۳۲۔

۱۰۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، عام لسانیات، ترقی اُردو بیورو، نئی نئی دہلی، ۱۹۸۸ء، ص ۴۴۷۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۴۶۳۔

باب چہارم: مجموعی جائزہ

لسانیات سے مراد زبان کا سائنسی مطالعہ ہے یعنی ایسا علم جس میں زبان کے مآخذ اس کی ساخت، علاقائی اختلافات اور صوتی خصائص سے بحث کی جاتی ہے۔ زبان اور انسان کا تعلق بہت مضبوط ہے کیوں کہ زبان کے بغیر انسان کا وجود ہی بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ زبان ہی کی بدولت ہم اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں انسان کو زبان کی بنیاد پر حیوان ناطق کہا جاتا ہے۔ تہذیب و تمدن کا ارتقا بھی زبان کا مرہون منت ہے۔

زبان کے آغاز و ارتقا کے بارے میں غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ سماجی ضرورت کے تحت وجود میں آئی۔ ابتدا میں انسان نے اظہار جذبات کے لئے کچھ آوازیں نکالی ہوں گی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان آوازوں کے مفہوم متعین ہو گئے یوں زبان کا وجود عمل میں آیا۔

زبان کی تحریری شکل بھی رفتہ رفتہ وجود پذیر ہوئی ابتدا میں انسان اشاروں کی مدد سے اپنے خیالات کا اظہار کرتا رہا آج بھی ہم اشاروں کی مدد سے اپنی بات دوسروں کو سمجھا سکتے ہیں جیسے ہم منہ پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہیں اس کے علاوہ خاکوں اور تصاویر کی مدد سے بھی خیالات کو ظاہر کیا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ خاکے اور اشارے آوازوں کے نمائندے بن گئے اور یوں حرف وجود میں آیا۔ مختلف حروف کے ملانے سے الفاظ بنے بہت سے الفاظ کے ملاپ سے جملے وجود میں آئے۔ یوں صدیوں کی کاوش زبان کے تحریری اور تقریری وجود کا باعث بنی۔ اس کے اصول و ضوابط مقرر ہوئے اور یہ ایک باقاعدہ علم کی حیثیت اختیار کر گئی۔ رفتہ رفتہ اس علم کی حیثیت بھی دوسرے علوم عمرانیات، نفسیات اور معاشیات کی سی ہو گئی۔ لسانیات کا موضوع دراصل زبان کا علم ہے۔

زبان کی تخلیق کے حوالے سے محقق اور ادیب سوچ بچار میں رہے ہیں عہد قدیم میں یہ نقطہ افلاطون کے پیش نظر بھی رہا ہے کہ آخر زبان کے اولین الفاظ کیسے تخلیق ہوئے اور وہ کون سے اصول و ضوابط تھے جنہوں نے الفاظ کی تشکیل میں رہنمائی کا فریضہ سر انجام دیا۔ اس حوالے عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ الفاظ مظاہر فطرت کی مختلف آوازوں پر غور کرنے کی بدولت معرض وجود میں آئے اور زبان کی تخلیق میں انسان کو بہت سے دشوار مراحل کو طے کرنا پڑا اور فطرت کی نیرنگیوں نے انسان کو زبان کی تخلیق میں مدد دی۔ مذہبی

حوالے سے بھی انسان زبان کو دیوی دیوتاوں اور پیغمبروں سے متعلق بھی قرار دیتا رہا عہد نامہ عتیق میں بھی اس کا اشارہ ملتا ہے۔

زبان کے حوالے سے مذکورہ بالا بیانات اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں لیکن بات مسلم ہے کہ انسانیت کی تاریخ میں جو چیزیں انسان نے حاصل کیں ان میں سب سے بیش قیمت شے زبان ہے۔ کیوں کہ یہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ایسی ضرورت ہے کہ انسانی زندگی اس کے بغیر بے کار اور بے معنی لگتی ہے۔

علم لسانیات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے ہم نے یہ طے کیا ہے کہ یہ زبان کا ایسا علم ہے جس میں زبان کے مآخذ، اس کی ساخت اور صوتی خصائص سے بحث کی جاتی ہے۔ اس حوالے سے علم لسانیات کی تعریف مختلف محققین نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے کی ہے۔

لسانیات کی مختلف تعریفوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ماہرین لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ اس علم کا تعلق زبان سے ہے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سائنسی نقطہ نظر سے مطالعہ لسانیات کہلاتا ہے۔

سائنس دراصل وہ علم ہے جس میں کچھ مخصوص قواعد وضوابط کا تعین کیا ہے مشاہدے اور تجزیے کو بھی علم سائنس میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مفروضہ بھی سائنس کے علم کا ایک جز ہے اگر ہم لسانیات کو سائنسی نقطہ نظر سے جانچیں گے تو ہمیں معلوم درج بالا اصول وضوابط کو ضرور پیش نظر رکھنا ہو گا۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں ہ سائنسی مطالعہ سے مراد وہ تحقیقات ہوتی ہیں۔ اس کے مشاہدات کی تصدیق تجربی تقاضوں کے حوالے سے کی جاسکے۔ لسانیات کی تعریف میں زبان اور سائنس پر زور دیا گیا ہے۔ سائنس کی تعریف تو ہم اوپر کر چکے ہیں، اب لفظ زبان کی وضاحت کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ زبان کسے کہہ سکتے ہیں۔ زبان دراصل صوتی علامتوں کے اس نظام کو کہتے ہیں جو دراصل خود اختیاری اور روایتی ہوتا ہے۔ یہ وہ نظام ہے و انسان اپنے سماج میں اپنے خیالات کے اظہار کے لئے استعمال میں لاتا رہا ہے۔ زبان اصوات کے مجموعے اور اس کی ترتیب کا نام ہے۔ لسانیات کے علم میں انسان کے اعضائے تکلم سے ادا ہونے والی آوازیں ہی اہمیت رکھتی ہیں اشارے اور تحریر اس میں بنیادی اہمیت کے حامل نہیں۔ اس طرح انسان کے منہ سے ادا ہونے والے کلمات ہم ہیں کیونکہ انہیں تحریر میں فوقیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ انسان نے اپنی تہذیب کے ارتقا میں بولنا پہلے شروع کیا تھا جب کہ تحریر بعد میں ظہور میں آئی انسان بچپن میں بولنا پہلے سیکھتا ہے جب کہ تحریر سے واقفیت بعد میں حاصل ہوتی ہے اور یہ بھی دنیا میں ہر شخص کو آشنائی حاصل ہوتی ہے اور یہ بھی دنیا میں ہر شخص بولنے کی صلاحیت تو رکھتا ہے لیکن تحریر کے فن سے ہر شخص کو آشنائی حاصل نہیں پھر یہ بھی کہ تحریر

میں بہت سی ایسی چیزوں کا وجود ہوتا ہے جو کہ گفتگو میں شامل ہوتی ہیں مگر گفتگو میں ایسی بہت سی چیزیں شامل ہوتی ہیں جن کو تحریر میں دیکھا جا سکتا ہے یا وہ تحریر میں جگہ نہیں بنا پاتیں مثلا لہجہ کی اونچ نیچ یا جیسے خوف، غصہ، نفرت، حقارت، حیرت اور خوشی وغیرہ کا اظہار وغیرہ۔ یہ وہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر علم لسانیات میں آوازوں کو تحریر پر ترجیح دی جاتی ہے۔ زبان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے زبان میں شامل آوازوں یا آواز کے حوالے سے جو اشکال بنتی ہیں ان میں اور ان کے معنی میں کوئی تعلق نہیں ہوتا کیوں کہ اگر یہ تعلق ہوتا تو دنیا کی تمام زبانیں مشترک ہوتیں۔

اس تعارف کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس علم کی تاریخ پر بھی کچھ بات کی جائے کہ اس علم کی ابتدا کیسے ہوئی یہ کتنا قدیم ہے اور کون سے ارتقائی مراحل سے گزرا ہے۔ زبان اور اس کا علم عہد قدیم ہی سے انسان کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز رہا ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ عہد نامہ عتیق میں یہ بیان موجود ہے کہ خداوند نے کل دشتی جانور اور ہوا کے کل پرندے مٹی سے بنائے اور ان کو آدم کے پاس لایا کہ دیکھیے کہ ان کے کیا نام رکھتا ہے اور آدم نے جس جانور کو جو کہا وہی اس کا نام ٹھہرا۔ اس بیان سے یہ بات عیاں ہے کہ یہ اشارہ آدم علیہ السلام کی طرف ہی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک میں بھی یہ بات موجود ہے اللہ نے آدم کو اشیا کے نام سکھائے اور اسی بنا پر اسے فرشتوں سے برتری اور فوقیت عطا کی اس نقطہ نظر سے الفاظ کو براہ راست خدا سے منسوب کیا گیا ہے اور ایک عرصے تک اس خیال کو امر مسلمہ کی حیثیت حاصل رہی اور آج اس نظریے کے حامی بڑی تعداد میں موود ہیں یونان کا قدیم فلسفی اور مفکر افلاطون بھی مافوق الفطرت مآخذ کا حامی ہے۔ یہ نظریہ زبان کے حوالے سے مافوق الفطرت نظریہ کہلاتا ہے، اٹھارویں صدی عیسوی تک اس مافوق الفطرت نظریے کے آثار موجود رہے لیکن اٹھارویں صدی عیسوی میں اس خیال نے قوت پائی کہ زبان فطری طریقے کے مطابق شروع ہوئی ہے۔ اس نظریے کا بانی روسو کو قرار دیا جاتا ہے جب کہ افلاطون کی کریٹیلس میں بھی فطری طریقے کی حمایت اس لئے ملتی ہے کہ وہ زبان کے معاملے میں مافوق الفطرت مآخذ کے ساتھ ساتھ قدرتی امور کا ذکر بھی کرتا ہے۔ ایک طرف وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ چرندوں پرندوں کے نام خود خدا نے آدم کو سکھائے اور یہ بھی کہتا ہے کہ کوئی اس کم ظرفی پر نہیں اتر سکتا کہ اس صدیوں پرانی روایت کو محض قصہ کہانی سمجھ کر جھوٹا ثابت کر دے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ یہ محققین کا کام ہے کہ پوری جانچ پڑتال کے بعد باقاعدہ مثالیں دے کر اس حقیقت سے آگاہ کریں کہ ہماری زبان کی ہیئت پر عوامل کی قومی خصوصیات، طور طریقے اور مشاغل کس طرح اثر انداز ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا

ہے کہ زبان کے فطری انداز میں نمو پانے کا نظریہ اٹھارویں صدی میں سامنے آیا تو ہمیں یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ آخر اٹھارویں صدی میں اس نظریے کا آغاز کیوں ہوا۔ اگر ہم مطالعہ کریں تو ہمیں اس بات کا علم ہو جائے گا کہ اٹھارویں صدی میں مسئلہ ارتقا کا وجود ہوا اور ارتقا کے اس نظریے نے علوم و فنون کے تصورات کو بے حد متاثر کیا۔ اس نظریے سے قبل ہر بات کو حادثے کا نتیجہ قرار دیا جاتا تھا یہ کہا جاتا تھا کہ مافوق الفطرت قوت کی ایما پر ایک حادثہ رونما ہوا اور سورج، چاند اور ستارے وجود میں آ گئے اور جاندار بھی آباد ہو گئے لیکن نظریہ ارتقا کے ظہور میں آتے ہی انسان میں یہ شعور بیدار ہوا کہ جو کچھ ہم اس کائنات میں دیکھ رہے ہیں یہ محض حادثے کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں ایک ارتقائی عمل موجود ہے جس کے نتیجے میں انسان نے غاروں کی زندگی سے نکل کر موجودہ زمانے تک ترقی کی ہے اور اس نظریے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان نے زندگی کے ہر شعبے میں تحقیق کا آغاز کر دیا اور اس اسی تحقیق کا نتیجہ ہے کہ انسان نے گزشتہ دو صدیوں میں جو ترقی کی منزلیں طے کی ہیں اور علوم و فنون کے ایسے راز منکشف کئے ہیں جو وہ پچھلی کئی صدیوں سے نہ کر سکا۔

نظریہ ارتقا کا پیش امام الفریڈ والس اور چارلس ڈارون کو قرار دیا جاتا رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس خیال کی ابتدا اس سے پہلے بھی ہو چکی تھی اس سلسلے میں چارلس ڈارون، بوفان، لامارک، کانٹ، ہرڈر اور گوئٹے کی تحریریں اس امر کی گواہی دیتی ہیں کہ جرمنی میں تو یہ نظریہ خاصا شہرت پا چکا تھا۔

علم لسانیات کے آغاز کے حوالے سے سب سے اہم نام جان گائفر ائیڈ کا ہے جس کی کتاب زبان کے مآخذ منظر عام پر آئی جس میں اس نے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی کہ زبان کسی مافوق الفطرت ہستی کا عطیہ نہیں ہے بلکہ یہ انسان کی اپنی کوشش کا نتیجہ ہے اور اس نظریے (یعنی مافوق الفطرت) کی نفی کرنے کرنے کے لئے اس نے یہ دلیل پیش کی کہ ہماری زبان مکمل نہیں بلکہ اس میں بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں۔ اب ان خامیوں کی موجودگی میں زبان قادر مطلق سے منسوب کرنا اس کی شان اکملیت کی نفی کر دیتا ہے لہذا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زبان خدا کی ایجاد نہیں ہو سکتی زبان کی تحقیق اور علم لسانیات کے ارتقائی مراحل کو جانچنے اور اس کا جائزہ لینے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ بہت سی زبانوں کا سرمایہ کسی محقق کے سامنے ہو اور وہ تقابلی مطالعے کے بعد کسی نتیجے پر پہنچ سکے۔ ہرڈر نے جب اپنی کتاب زبان کے مآخذ لکھی اس کے سامنے یہ سرمایہ موجود نہ تھا لہذا اس نے یہ برملا اعلان کیا کہ ابھی تک زبانوں کا مواد اور سرمایہ اس قدر کم ہے کہ تقابلی لسانیات کا وجود میں آنا ممکن نہیں۔ تقابلی لسانیات کے حوالے سے سر ولیم جونز کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے جنہوں نے ۱۷۸۶ء میں ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے تیسرے اجلاس میں اپنا خطبہ صدارت ارشاد

فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ سنسکرت اپنی ہیئت کے لحاظ سے عمدہ زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ یونانی سے زیادہ مکمل اور لاطینی سے زیادہ جامع ہے اور دونوں کی نسبت لطیف اور شائستہ بھی ہے لیکن ان سب خصوصیات کے باوجود ان دونوں زبانوں سے مشابہت رکھتی ہے۔ افعال کے مخارج اور صرف و نحو کے لحاظ سے یہ آپس میں بے حد مشابہت رکھتی ہے اور زبانوں کی مماثلت کو محض اتفاق کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سر ولیم جونز کا کہنا ہے کہ ان تینوں زبانوں کا سرچشمہ ایک ہے۔ اگرچہ اب یہ سرچشمہ وقت کے ساتھ ساتھ ناپید ہو گیا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ گاتھ قوم کی زبان اور سلیٹی کا سرچشمہ بھی سنسکرت ہی ہے۔ یہاں تک کہ فارسی کو بھی اس زبان سے جوڑا جا سکتا ہے۔ سر ولیم جونز کی یہ آواز یورپ میں زور و شور سے سنی گئی۔ یورپی محققین اس زبان کی تحقیق و تدقیق میں مصروف ہو گئے اور صدیوں کی مردہ زبان کو ایک نئی زندگی مل گئی۔ ان کے اس خطبے سے تقابلی لسانیات کی بنیادیں بھی قائم ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج سنسکرت اور لسانیات آپس میں لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں اور یہ بھی کہ لسانیات کی تاریخ میں جتنے بھی معتبر نام ہیں وہ سبھی سنسکرت سے آشنا ہیں۔

ولیم جونز کے بعد فریڈرک شیگل (۱۷۷۲ء تا ۱۸۲۹ء) بھی ایک ماہر لسانیات کی حیثیت سے ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اس کی لسانیات کے متعلق ایک تصنیف اہل ہند کی زبان اور حکمت ہے۔ جس میں انہوں نے یورپی اور سنسکرت زبان کا تقابلی مطالعہ کیا اور ان زبانوں کے صرف و نحو میں مطابقت کی بنیاد پر وہ اس نتیجے پر جا پہنچا کہ سنسکرت اور یورپی زبانوں خاص طور پر لاطینی، یونانی اور جرمن کے مابین ایک گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔

شلیگل کے اس نظریے سے متاثر ہونے والوں میں ایک بڑا نام فرانز بوپ تھا جس نے اپنی لسانیات سے متعلقہ ایک کتاب میں فارسی اور یورپی زبانوں کا تقابل کر کے اپنے دلائل سے یہ ثابت کیا کہ فارسی اور قابل ذکر یورپ زبانوں اور سنسکرت کا ماخذ دراصل کوئی ایک زبان ہے جسے اس نے قدیم آریائی کا نام دیا ہے۔ بوپ کو لسانیات کا ماہر ہونے کی بنا پر ۱۸۲۲ء میں برلن یونیورسٹی میں تقابلی صرف و نحو کا پروفیسر مقرر کر دیا گیا تا کہ سنسکرت اور دیگر زبانوں کے تقابلی صرف و نحو کے معاملات واضح ہو کر سامنے آ سکیں۔ ۱۸۲۲ء میں برلن میں بوپ کے نام پر تقابلی صرف و نحو کے لئے ایک ادارہ بھی قائم کر دیا گیا۔ اسی ادارے ہی کے سبب علم لسانیات کو ایسی شہرت ملی کہ یہ علم بھی سائنسی علوم کی صف میں شمار ہونے لگا۔ اس ادارے سے علم لسانیات کو روشنی عطا ہوئی کیونکہ اب اس ادارے میں اس علم کو باقاعدہ سکھایا اور پڑھایا جانے لگا اور اس ادارے سے دو

بڑے نام میکس مولر اور وہٹنے سامنے آئے مولر نے برطانیہ اور وہٹنے نے امریکہ میں لسانیات کے علم کی بنیاد ڈالی۔

مولر اور وہٹنے نے جو کہ فرانز بوپ کے شاگرد تھے انہوں نے تقریباً پون صدی تک لسانیات کے بارے میں جو کچھ احاطہ تحریر میں آیا تھا اکٹھا کیا۔ اس کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا اس سے نتائج اخذ کئے اور اسے عوام کے لئے بے حد دلچسپ بنا کر پیش کر دیا۔ ان کی اس کاوش کا نتیجہ اس صورت میں سامنے آیا کہ لسانیات کے حوالے سے ان کی تحریروں کو عوام میں بہت پذیرائی ملی ان دونوں ماہرین لسانیات میں ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ انہیں اظہار خیال پر قدرت حاصل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ عوام نے ان کی تحریروں کو ناول کی سی دلچسپی سے پڑھا اس علم سے انسانی تاریخ اور ارتقا کے کئی راز منکشف ہوئے اور یوں اس علم کی حیثیت مسلم ہو گئی۔ میکس مولر ۱۸۵۰ء میں آکسفورڈ میں آ گیا اور باقی زندگی اس نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بسر کر دی۔

امریکی ماہر لسانیات وہٹنے نے سنسکرت کی تعلیم حاصل کی اور اس میں مہارت حاصل کی لسانیات میں اس کی اہم تحقیقات کی بنیاد پر اسے ۱۸۷۰ء میں بوپ ادارہ کی طرف سے اول انعام ملا۔ اس کی تصنیفات میں سے دو کتابوں زبان اور اس کا مطالعہ اور زبان کی پیدائش اور اس کی نشو نما کو ایسی شہرت ملی کہ ان تصنیفات کا ترجمہ بڑی بڑی زبانوں میں ہوا۔

لسانیات کے متعلق تحقیق کا سفر اب بھی جاری ہے۔ اس مختصر سے جائزے میں لسانیات سے متعلق تمام کوششوں کا احاطہ ناممکن ہے لیکن لسانیات کے متعلق عہد بہ عہد ہونے والی اہم کاوشوں کو ضرور پیش کیا گیا ہے تاکہ لسانیات کی تاریخ پر روشنی پڑ سکے۔

صوتیات اور فونیمیات:

زبان کی آوازوں کے سائینٹیفک ڈھنگ یا منظم طور سے مطالعے کو صوتیات کہتے ہیں اس طرح کا مطالعہ ایک ماہر صوتیات ہی کر سکتا ہے۔ ماہر صوتیات ایک ایسا سائنس دان ہے جس نے زبان کی آوازوں کو سمجھنے، ان میں تفریق کرنے اور ان کا تجزیہ کرنے کے لئے باقاعدہ تربیت حاصل کی ہو۔

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں لنگویسٹک سرکل آف پراگ کی بدولت لسانیات کے دو نئے شعبوں کی داغ بیل ڈالی۔ یہ شعبے فونیمیات اور ساختیات کے ہیں جن کا تعلق بنیادی طور پر توصیفی یا تشریحی لسانیات سے ہے۔ ان دونوں شعبوں کے طفیل توصیفی لسانیات کے ارتقا کی ایک نئی سمت بھی سامنے آ گئی جو

زیادہ سائنسی اور پر کشش تھی۔ یہ حقیقت بھی ہمیشہ پیش نظر رہے گی کہ دوسرے علوم کی طرح صوتیات کے کچھ بنیادی تصورات کی کماحقہ تعریف ممکن نہیں۔

سائنس کوئی بھی ہو حقیقی معنوں میں ٹھوس اور مضبوط اساس سے عاری ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ان غیر ثابت شدہ مفروضوں پر تشکیل پاتی ہے کہ جن بنیادی اکائیوں کے وجود سے لوگ آشنا ہوتے ہیں اور اس بات پر بھی قطعی طور پر شک نہیں کیا جا سکتا کہ کسی زبان کی تفہیم کے لئے اس کے قواعدی نظام پر دسترس کی کوشش ہونی چاہیے۔ زبان میں استعمال ہونے والی تکلمی آوازیں، مخصوص طریقے سے زبان کا حصہ بن کر اس کی امتیازی حیثیت ابھارتی ہیں۔

ہر زبان کا مخصوص نظام ہوتا ہے جسے جدید لسانیات، برطانیہ اور یورپ میں فونولوجی اور امریکہ میں فونیمیکس کی اصطلاحیں مرتب ہوتی ہیں۔

اردو میں اسے صوتیات یا صوتیہ شناسی کہا جاتا ہے۔ بعض ماہرین لسانیات فونیمیات کو دو شاخوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ فونیمیات کی اساس فونیم کے یا تکلمی آواز کی چھوٹی سے چھوٹی اکائی کے تصور پر ہے۔ اس تقرر نے وقت کے ساتھ ساتھ مختلف نظریات کی حیثیت بھی اختیار کی۔

ماہرین لسانیات کی اکثریت فونیم کے کسی نظریے ہی سے صوتی تجزیے کے اصول اخذ کرتی اور زبان کا فونیمی تجزیہ کرتی ہے۔ فونیمیات محض مصوتوں اور مصمتوں کے مطالعے تک محدود ہیں ان کا دائرہ بحث میں لہجہ، سرلر، زیر و بم اور سلیبل اور ان کی تالیف وغیرہ کے مباحث بھی آجاتے ہیں۔ صوتیات زبان کی آوازوں اور ان کے مخارج کا مطالعہ کرتی ہے۔ ان میں اعضائے تکلم کی حرکت اور مقام کا مطالعہ شامل ہے۔ لسانیات کے مطالعے میں صوتیات کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ صوتیات کی مدد ہی سے یہ ممکن ہے کہ ہم کسی زبان کے الفاظ کے تلفظ کو صحیح طرح سے سمجھ سکیں۔

لسانیات میں فونیمیات، صرف و نحو کے مطالعے کے لئے بھی بہت اہم ہے۔ بات چیت کے دوران الفاظ کی صوتی شکل میں تبدیلی عام ہے جس کا مطالعہ مارفوفونیمیات کے ذریعے کرتے ہیں۔ اور اس مطالعے میں بھی صوتیات کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

لسانیات کی ایک ہم شاخ سماجی لسانیات ہے جس میں ہم مختلف طبقوں، فرقوں، پیشوں وغیرہ کی بولی میں تلفظ اور دیگر مسائل کا مطالعہ کرتے ہیں۔ لہذا بولی، جغرافیہ، نفسیاتی لسانیات ایسے میدان ہیں جہاں صوتیات میں استعمال ہونے والے تکنیک اور طریقے اور یہاں کے تحقیق نتائج کا اطلاق لازمی ہے۔

صوتیات کی حیثیت لسانیات میں تو کلیدی ہے چاہے یک زمانی لسانیات ہو یا تاریخی لسانیات اور جہاں عملی ضروریات ہو وہاں بھی یہ بہت اہم ہے۔ غیر ملکی و غیر مادری زبانوں کے سیکھنے اور سکھانے میں زبان کی آوازوں کے نظام اور ان کی ساخت، آوازوں کے مخارج اور ان کی سمیعاتی خصوصیات کا علم انتہائی ضروری ہے۔ ایک معلم کو ایک کامیاب استاد ہونے کے لئے زبان کے بنیادی مواد یعنی آوازوں کے نظام اور اپنے مقصد یعنی زبان کی آوازوں پر مکمل اختیار اور اس کے صحیح تلفظ کا علم ہونا چاہیے یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ میں زبان دانوں کے لئے صوتیات کا علم سیکھنا ضروری قرار دیا گیا۔

اس بات میں کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں کہ صوتیات و فونیمات کا علم زبان سیکھنے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغربی دنیائے لسانیات میں فونیم کے تصور سے متعلق بحث و تمحیص کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا ہے۔ ڈینئیل جونز صوتیہ کے تصور کو انتہائی قدیم قرار دیتا ہے۔

امریکی عالم لسانیات ایڈورڈ سپئیر کی یہ رائے ہے کہ زمانہ قدیم کے اکثر لوگوں میں فونیمی وجدان موجود تھا اور وہی بعد میں ابجدی تحریر کی ابتدائی کوششوں کا موجب بنا ہوا۔ انہوں نے مربوط اور مسلسل بات چیت میں کلموں کی انفرادیت اور ان میں سے ممتاز صلاحیت رکھنے والی تکلمی آوازوں کو وجدانی طور پر پہچانا اور ان کے لئے حروف وضع کئے ہیں جو رکنی طرز تحریر سے ماخوذ تھے۔ چنانچہ ابدی تحریر اپنے آغاز ہی سے فونیمی قرار پاسکتی ہے۔ گویا یہ ایک صوتیہ کا دھندلا سا تصور ہی تو تھا۔

فونیمیات سے بحث کرتے وقت صوتیات سے اسے ممتاز کرنا چاہیے۔ ان دونوں کی امتیازی حیثیت کی وضاحت کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ صوتیات ایک سائنسی مطالعے اور زبانوں میں استعمال ہونے والی تکلمی آوازوں کے بچے تلے تجزیے کے علم کی حیثیت سے جس قدر زیادہ ارتقا کرتی گئی۔ اسی قدر تحریر میں اس کی ترجمانی اور آئینہ داری کی کوتاہیاں آتی گئیں۔ ان کوتاہیوں کو دور کرنے کے لئے املا کی اصلاح کی طرف توجہ ہوئی۔ یوں تو عام مقاصد کے لئے ہر زبان کا رسم الخط خاصا خود مکتفی ہوتا ہے۔ اور عام اہل زبان اور زبان دان اپنے رسم الخط کو مروجہ تکلمی آوازو کا صحیح ترجمان سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن کسی بھی زبان کا رسم الخط آوازوں کی مکمل آئینہ داری نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ایسے صوتی رسم الخط کی ضرورت محسوس ہوئی جو تمام معلوم زبانوں کی آوازوں، ان کے لطیف امتیازات کو نیز لب ولہجہ کی صوتی کرشمہ سازیوں کو، گرامر اور معانی بلکہ تحریروں کے حوالے کے بغیر، جوں کا توں صوتی آئینے کی حیثیت سے پیش کر سکے۔ گوناگوں تجربوں کے بعد بین الاقوامی صوتی ابجد نے جنم لیا۔ اس طرح آوازوں کی زیادہ سے زیادہ صحیح اور جچی تلی ترجمانی کی ایک صورت نکل آئی

اور اس سے صوتیاتی مطالعے اور تجزیے میں بھی خاصی مدد ملی۔ لیکن یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی زبان کی صوتی کیفیتوں کو باقاعدگی اور غیر مبہم وضاحت کے ساتھ ضبط تحریر میں لانا اور اس تحریر کو آوازوں کی نازک نوعیتیوں کا آئینہ دار بنانا کتنا مشکل ہے۔

کچھ تجربوں کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ کسی زبان کی آوازوں کے بہت سے امتیازات، آواز کے صوتی ماحول یا سیاق وسباق سے مشروط ہوتے ہیں۔ اور کچھ آوازیں تکلمی صورت میں باہم اتنی مماثل ہوتی ہیں کہ الگ الگ علامات کی محتاج نہیں۔ یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ صوتی ماحول کی مشروطیت بھی ہر زبان میں مختلف ہوتی ہے۔ صوتی نظام کی بنیاد کسی مخصوص زبان کے لطیف صوتی امتیازات کی پہچان اسے کوئی خاص واسطہ نہیں۔ اس لئے ہر زبان کے لئے الگ ٹرانسکرپشن کی تشکیل ضروری ہے۔

ان تمام مباحث کی روشنی میں کلام کی صوتی تالیف وترکیب کا مطالعہ کیا گیا تو یہ واضح ہوا کہ کوئی زبان اعضائے صوت سے وضع ہونے والی تمام آوازوں کو کام میں نہیں لاتی بلکہ لسانی گروہ ان میں سے چند کا انتخاب کرتا ہے۔ اور کلام کے دوران صوتی امتیازات اور ترکیبی امتیازات اور ترکیبی امکانات کے ایک نظام میں ان منتخبات کی تنظیم مختلف طریقوں سے کرتا ہے۔

فونیمات کے فروغ نے عام صوتیات سے ہٹ کر مطالعے کی راہ ہموار کی اب تکلمی مطالعے کے دو نتائج ہو گئے ایک صوتیات اور دوسرا فونیمیات یوں تو دونوں کا تعلق ایک ہی مواد یعنی زبان کے صوتی پہلو سے ہے یعنی سماعت کی گرفت آنے والے تکلمی آوازوں سے تاہم انداز بحث اور توجہ کے مراکز کا فرق ہوتا ہے۔

صوتیات کی حیثیت ایک لحاظ سے عمومی ہوتی ہے اس کا تعلق گویائی کی عمومی آوازوں سے ہوتا ہے ان کے مخارج، طرز ادا، ماہیت اور نوعیت سے کسی مخصوص زبان میں ان کے تفاعل کے حوالے کے بغیر اس کا رویہ تشریحی یا توصیفی بھی ہوتا ہے اور تفہیمی یا درجہ بندی کا بھی ہوتا ہے۔

اس کے برعکس فونیمات کی حیثیت ایک لحاظ سے تحقیقی ہوتی ہے۔ وہ کسی خاص زبان کی آوازوں کو پرکھتے وقت تفاعل پر نظر رکھتی ہے۔ اس لئے اسے تفاعلی صوتیات بھی کہا جاتا ہے۔

صوتیات کا علم اب اور بھی دوسرے علمی میدانوں میں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً نفسیات، سماجیات، فلسفہ، بشریات وغیرہ غرض جہاں بھی زبان کا مطالعہ اور تحقیق ہے وہاں صوتیات کسی نہ کسی شکل میں اہمیت رکھتی ہے۔ مثلاً زبان اور آواز کے ماہر کے لئے صوتیات کا علم ضرور ہے۔ بغیر زبان کے عام تلفظ اور

اعضائے تکلم کو سمجھے بغیر زبان کے نقائص کو سمجھنا ناممکن ہے۔ زبان کے مختلف نقص اور کچھ تربیتیں یہ سب صوتیات کی مدد کے بغیر ناممکن ہیں۔ کسی بھی زبان کی آوازوں کا مطالعہ تین زاویوں سے کیا جاسکتا ہے۔

الف۔ سمیعاتی صوتیات

ب۔ سماجی صوتیات

ج۔ تلفظی صوتیات

اسی طرح فونیمیات میں کسی زبان کی اہم آوازوں یعنی فونیم کے اصولوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ وہ ہر زبان میں محدود ہوتی ہیں، جو تقریباپندی سے پچاس کے بیچ ہی ہوتی ہیں۔ اسی طرح فونیمات میں قطعی کے علاوہ ملتی جلتی آوازوں کی نمائندگی بھی ہوتی ہے۔ فونیم میں کئی اوازوں کا حوالہ ہوتا ہے۔ اور ایک طرح سے یہ اصطلاح ہی حوالے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ فونیم ایک دوسرے سے مل کر سلیبل بناتے ہیں اور پھر ان سلیبیلوں کی تالیف و ترکیب سے کلمے وجود میں آتے ہیں جو ان کلموں کے مماثل یا بالکل وہی ہوتے ہیں جو مصمتوں سے ترکیب پاتے ہیں۔ بعض ماہرین انہیں ایک دوسرے سے ممیز کرنے کے لئے انہیں فونیمی کلمے اور صرفی کلمے کہتے ہیں۔ صوتی کلمے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر دوسری بڑی صوتی اکائیاں تشکیل کرتے ہیں۔

لسانیات ہی کی ایک شاخ، الفاظ کی بناوٹ اور ان سے جملے بنانے سے متعلق ہے جسے گرامر یا صرف و نحو کہا جاتا ہے۔ صرف کا تعلق الفاظ کی بناوٹ سے ہوتا ہے جو آوازوں کے بعد، زبان کا اہم حصہ ہوتے ہیں۔ کوئی بھی بات دوسرے تک پہنچانے کے لیے، آوازوں کو الفاظ کا جامہ پہنانا ضروری ہوتا ہے۔ الفاظ میں ایک اہم چیز، اصطلاح ہوتی ہے جو کم الفاظ میں بڑا مفہوم بیان کرتی ہے۔ تمام زبانوں کی طرح اردو میں بھی اصطلاحات موجود ہیں اور تقریباہر علم کی اصطلاحات کا ایک بے بہاذخیرہ اردو میں بھی موجود ہے جو کبھی تو اردو کے اپنے الفاظ سے بنائی گئی ہیں تو کبھی دوسری زبانوں کے الفاظ سے۔ تمام علوم کی طرح، لسانیات کی اصطلاحات بھی بہت زیادہ مقدار میں موجود ہیں مگر اختلافات بھی موجود ہیں۔

اُردو میں وضع اصطلاحات کے حوالے سے بہت کچھ لکھا بھی گیا اور اسی حوالے سے بہت سے اصول اور قواعد وضوابط بھی مرتب کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ہر علم و فن کی اصطلاحات وضع بھی کی گئی ہیں۔ جہاں دوسرے تمام علوم وفنون کی اصطلاحوں پر کتب موجود ہیں وہیں لسانیات کی اصطلاحات کا بھی نا صرف اُردو میں ایک ذخیرہ موجود ہے بلکہ اس اصطلاحات کو یک جا بھی کیا گیا ہے۔ اگرچہ اُردو میں لسانیات کی اصطلاحوں کا باقاعدہ اکٹھا کرنے کا کام، پہلی مرتبہ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اپنی کتاب "اُردو لسانیات" کے ذریعے کیا جو

۱۹۶۶ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی اور یوں انہوں نے اُردو میں ان لسانیاتی اصطلاحات کے یک جا کرنے کے عمل کی داغ بیل ڈالی اور ان کے بعد مختلف ماہرین لسانیات، اپنی کتابی ضروریات کے پیشِ نظر، اصطلاحات وضع کرتے رہے۔ ۱۹۸۷ء میں پروفیسر مسعود حسین خان نے "فرہنگ اصطلاحات لسانیات" کے نام سے اُردو لسانیات کی ایک جامع اور مضبوط فرہنگ پیش کی۔ اس ضمن میں ایک اور اہم اور قابل ستائش قدم اور سنگِ میل، ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان صاحب کی کتاب "کشاف اصطلاحاتِ لسانیات" ہے جو ۱۹۹۵ء میں مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد سے شائع کی گئی۔ اس کتاب میں بہت سی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک خوبی یہ بھی تھی کہ فاضل مرتب نے مکمل کوشش کی ہے کہ ایک اصطلاح کے لیے اُردو میں اُس کا ایک ہی مترادف دیا جائے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے اپنی طرف سے کچھ نئی اصطلاحات بھی وضع کیں۔ تاکہ مختلف مفاہیم کے بیان میں جو فرق ہے اُسے خوبی اور عمدگی سے بیان کیا جا سکے۔ مثال کے طور پر "فونیم" کے لیے انہوں نے انگریزی کی یہی اصطلاح من و عن لینے کی بجائے "مہمل نطقہ" کی اصطلاح استعمال کی اور اسی کے مطابق "فونیمکس" کے لیے اُس وقت کی عام مستعمل اصطلاح "صوتیات" کی بجائے "نقطقیات" استعمال کی ہے۔ جب کہ "صوتیات" کی اصطلاح انہوں نے "فونیٹکس" کے لیے استعمال کی ہے۔ جسے اُس وقت عام طور پر "علم الاصوات" کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان نے پہلی مرتبہ "فونیمکس" کے لیے "نطقیات" جب کہ "فونیٹکس" کے لیے "صوتیات" کی اصطلاح استعمال کی۔

اس سلسلے کی اگلی کڑی مشہور اور ممتاز ماہرِ لسانیات پروفیسر عامر علی خان کی کتاب "فرہنگِ اصطلاحاتِ لسانیات، انگریزی۔ اُردو" ہے۔ جس میں فاضل مدون نے ایک طرح سے ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ یہ کتاب ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی اور یہ بھی اُردو زبان کے فروغ کے لیے قائم کیے گئے موقر اِدارے مقتدرہ قومی زبان جسے اب ادارہِ فروغِ قومی زبان کہا جاتا ہے نے شائع کیا۔ اس کتاب کی اشاعت میں ممتاز محقق نقاد اور دانش ور پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل نے بہت اہم کردار ادا کیا۔

صوتیات میں آواز کی سب سے چھوٹی اکائی کو"صوت رکن"کہا جاتا ہے جیسے انگریزی(syllable) کہا جاتا ہے جب کہ فونیمیات کی اکائی کو صوتیہ کہا جاتا ہے جسے انگریزی میں فونیمکس (Phonemics)کی مناسبت سے فونیم (Phoneme) کہا جاتا ہے۔ صوتیے یا فونیم(Phoneme)دو طرح کے ہوتے ہیں۔

ایک وہ جن کی تقطیع کی جا سکتی ہے یعنی انہیں چھوٹے چھوٹے صوتی ٹکڑوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے انہیں "قطعاتی صوتیے"اور"کسری صوتیے"کا نام دیا جاتا ہے۔انگریزی میں انہیں سیگمینٹل فونیمز(Segmental Phonemes)کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم کے صوتیے یا فونیمز(Phonemes)وہ ہوتے ہیں جن کی تقطیع ممکن نہیں ہوتی۔یہ دراصل آواز کی چند خصوصیات ہوتی ہیں۔انہیں"فوق قطعاتی صوتیے"اور"بالا کسری صوتیے"کہا جاتا ہے جب کہ انگریزی میں انہیں سُپرا سیگمینٹل فونیمز(Supra segmental Phonemes)کہا جاتا ہے۔

عام طور پر تمام ماہرینِ لسانیات نے قطعاتی یا کسری صوتیوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے:

ا۔ مصوتے جنہیں انگریزی میں واولز(Vowels)کہا جاتا ہے

۲۔ مصمتے جنہیں انگریزی میں کانسو ننٹس(Consonants)کہا جاتا ہے لیکن ڈاکٹر سہیل بخاری نے اپنے صرف ایک مضمون میں ان کی چار اقسام بیان کی ہیں

ا۔ مصوتے جن کے لیے ڈاکٹر صاحب "سُر" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں

۲۔ مصمتے جن کے لیے وہ "اسر" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں

۳۔ غنہ

۴۔ ہمزہ

واضح رہے کہ ڈاکٹر سہیل بخاری کے ہاں بھی سوائے اس ایک مضمون کے اور کہیں بھی اس طرح کی کوئی بات نہیں ملتی۔اس مضمون کے علاوہ انہوں نے ہر جگہ وہی دو اقسام گنی ہیں جو دوسرے ماہرین لسانیات نے بیان کی ہیں اور اپنے مضمون میں بھی انہوں نے ان دونوں اضافی اقسام کو مصمتوں / اسروں میں ہی شمار کیا ہے۔ لیکن اس ایک اختلاف کے علاوہ بھی بہت سارے ماہرین لسانیات نے ہمزہ اور نون غنہ کے حوالے سے مباحث چھیڑے ہیں لیکن کسی نے بھی انہیں آواز کی بنیادی قسم میں شمار نہیں کیا بلکہ مصمتوں میں ہی شمار کیا ہے اس سے ہم قطعاتی یا کسری صوتیوں کو انہی دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں اور ان سے بحث کریں گے:

ا۔ مصوتے یا اصواتِ علت (Vowels)

۲۔ مصمتے یا اصواتِ صحیحہ (Consonants)

آوازوں کی ادائیگی کے لیے انسانی جسم میں ایک پورا نظام موجود ہے جس میں بہت سے اعضاء شامل ہیں۔یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ یہ تمام اعضاء بنیادی طور پر اعضاءِ صوت نہیں مگر فطرتاً ان کا تعلق اصوات

سے جڑا ہوا ہے اور وہ اپنے تمام افعال کے ساتھ ساتھ آوازوں کی ادائیگی میں بھی مدو معاون ثابت ہوتے ہیں اس لیے انہیں اعضائے صوت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اعضاء پیٹ سے شروع ہو کر منہ تک کے حصے پہ مشتمل ہیں جن میں سانس کی نالی بھی شامل ہے۔

آواز کی ادائیگی میں ان اعضاء کے ساتھ ساتھ سانس کا بھی بنیادی کام ہوتا ہے۔ ان تمام اعضاء کے مختلف مقامات پر سانس کو روک کر مختلف آوزیں پیدا کی جاتی ہیں۔ لیکن کچھ آوازیں ایسی ہوتی ہیں جن کی ادائیگی میں سانس کو کسی بھی قسم کی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ وہ آوازیں سانس کے راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ کے بغیر ادا ہوتی ہیں۔ انہی آوازوں کو "مصوتے"، "اصواتِ علت" یا "سُر" کہا جاتا ہے۔

آواز کی ادائیگی اگر چہ ظاہری طور پر منہ سے ہی ہوتی ہے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام آوازیں زبان سے ہی نکل رہی ہیں مگر در حقیقت ان آوازوں کی پیدائش میں، پیٹ، پھیپھڑے، سانس کی نالی، منہ، ناک اور ان سے متعلقہ اور ان کے بیچ آنے والے تمام اعضاء بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر حصہ لے رہے ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ سانس بھی اس عمل میں شامل ہوتی ہے۔

سانس، پھیپھڑوں سے نکلتے ہوئے مختلف راستوں سے پیٹ اور سانس کی نالی کے راستے منہ تک آتی ہے۔ اس راستے میں مختلف مقامات پر سانس کے رکنے سے مختلف آوازیں پیدا ہوتی ہیں جنہیں "مصمتے" یا "اصواتِ صحیحہ" کہا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں، وہ آوازیں جن کی ادائیگی میں سانس کو کسی نہ کسی مقام پر رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑے ان آوازوں کو "مصمتے" یا "اصواتِ صحیحہ" کہا جاتا ہے۔

اردو ہو یا دنیا کی کوئی دوسری زبان، سب میں مصمتوں کی تعداد مصوتوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ بر صغیر میں چوں کہ بیرونی حملہ آور بہت زیادہ اور دنیا کے مختلف علاقوں سے آئے اور ہر بیرونی حملہ آور، جو حکومت بھی قائم کرے، اسے مقامی زبان سیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ مقامی زبانوں پر اثر انداز بھی ہوتی ہیں سو وہ زبان جسے آج اردو کہا جاتا ہے اس نے بھی ہر حملہ آور کی زبان کا اثر قبول کیا اور یوں اس میں عربی، فارسی، ترکی، انگریزی اور یہاں کی مختلف دوسری مقامی زبانوں کے آثار واضح طور پر نظر آتے ہیں اس وجہ سے اس کا ذخیرہء الفاظ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں موجود آوازیں بھی بہت سی دوسری زبانوں سے زیادہ ہیں۔ اُردو میں کم و بیش چوبیس (24) تو صرف مصوتی آوازیں ہیں۔ مصمتی آوازیں بھی بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔

جس طرح مصوتی آوازوں یا مصوتوں پہ تمام ماہرین لسانیات کا اجماع نہیں ہے بلکہ کہیں کم تو کہیں شدید اختلاف پایا جاتا ہے بالکل اس طرح مصمتوں کی تعداد پر بھی اکثر ماہرین لسانیات متفق نہیں ہیں بلکہ بعض جگہوں پر تو یہ اتفاق بہت زیادہ شدت اختیار کر جاتا ہے۔یعنی کسی کے نزدیک مصمتی آوازیں بہت کم تو کسی کے ہاں بہت زیادہ ہیں۔

آواز کی چند خصوصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے بدلنے سے معانی اور کیفیت میں فرق پڑ جاتا ہے مگر ان خصوصیات کو تقطیع میں نہیں لایا جا سکتا یہ خصوصیات صوتی ہی ہوتی ہیں اس لیے ان کو صوتیے ہی قرار دیا جاتا ہے اگرچہ بعض ماہرین لسانیات انہیں محض نقوش قرار دیتے ہیں اور "اردو کے نقوش تلحین "یا" اردو کے نقوشِ امتداد "کا نام دیتے ہیں مگر اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ خصوصیات دراصل صوتیے ہی ہیں جن کی تقطیع ممکن نہیں اور وہ ان خصوصیات کو "بالا کسری صوتیے یا فوق قطعاتی صوتیے "کا نام دیتے ہیں۔

نتائج:۔

اس تمام تحقیق سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

- اردو میں لسانیات کے حوالے سے بہت کم کام ہوا ہے۔
- جس قدر کام ہوا ہے اس میں بھی سوائے چند کتابوں کو چھوڑ کے باقی کُتب معیاری نہیں ہیں یا پھر دوسری کتابوں کا چربہ ہیں۔
- صوتیات کے حوالے سے کام کا بھی تقریباً یہی معیار ہے۔
- اصطلاحات میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔
- صوتیات کی ایک اہم شاخ "سمعی صوتیات" کے حوالے سے کسی قسم کا تحقیقی کام موجود نہیں ہے۔
- دوسری دو اہم شاخوں "تلفیظی اور سمعیاتی صوتیات" میں کسی قسم کا فرق نہیں کیا گیا بلکہ ساری تحقیق ایک ہی نہج پر کی گئی ہے۔
- بالاکسری صوتیے بھی مزید تحقیق کے متقاضی ہیں۔
- لسانی تغیرات، خاص طور پر اردو زبان میں آنے والے لسانی تغیرات کے حوالے سے کسی قسم کی تحقیق نظر نہیں آتی سوائے ایک کتاب کے۔

سفارشات:۔

اس مقالے میں تمام تحقیق کے بعد یہ سفارشات مرتب کی جاتی ہیں۔

- لسانیات کے حوالے سے مزید تحقیق کی جانی چاہیے اور معیار کا بھی خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔
- لسانیات کے علاوہ صوتیات کے حوالے سے بھی مزید تحقیق کی جانی چاہیے اور اس میں بھی معیار کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے۔
- اصطلاحات میں پائے جانے والے اختلاف کو دور کرنا چاہیے تاکہ لسانیات اور اس کی تمام شاخوں کے حوالے سے کی جانے والی تحقیق کو سمجھنے میں بھی آسانی ہو۔
- صوتیات کی ایک اہم شاخ "سمعی صوتیات" کے حوالے سے بنیادی سطح پر تحقیق کی جانی چاہیے اور اس حوالے سے لنگوئسٹک لیبارٹریوں کے قیام کی طرف بھی توجہ دی جانی چاہیے۔
- لنگوئسٹک لیبارٹریاں وقت کی اہم ضرورت ہیں اور ان کی وجہ سے صوتیات کے حوالے سے تحقیق میں بہت مدد ملتی ہے ان کا قیام جلد از جلد عمل میں لایا جائے۔

- ❖ بالا کسری صوتیوں کے حوالے سے بھی مزید تحقیق کی جانی چاہیے اور اس میں معیار کا بھی خیال رکھا جائے۔
- ❖ لسانی تغیرات، خاص طور پر اردو زبان میں آنے والے لسانی تغیرات کے حوالے سے تحقیق کو مزید آگے بڑھایا جائے تا کہ اردو کے آغاز کے بارے میں پائے جانے والے قیاسی نظریات کی بجائے علمی نظریات کو فروغ ملے۔

کتابیات

۱۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، ادب اور لسانیات، اُردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۵ء

۲۔ ابو للیث صدیقی، ڈاکٹر، جوامع القواعد (حصہ صرف)، اُردو سائنس بورڈ، پشاور، ۲۰۰۴ء

۳۔ الٰہی بخش اختر اعوان، ڈاکٹر، کشاف اصطلاحاتِ لسانیات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء

۴۔ اقتدار حسین، ڈاکٹر، لسانیات کے بنیادی اصول، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۵ء

۵۔ اقتدار حسین، ڈاکٹر، صوتیات اور فونیمات، ترقی اُردو بیورو، نئی نئی دہلی، ۱۹۹۴ء

۶۔ خلیل صدیقی، آواز شناسی، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۶ء

۷۔ خلیل صدیقی، زبان کا مطالعہ، قلات پبلشرز، کوئٹہ، ۲۰۰۱ء

۸۔ خلیل صدیقی، زبان کیا ہے، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۹ء

۹۔ ڈیوڈ کرسٹل، لسانیات کیا ہے (مترجم: ڈاکٹر نصیر احمد خان)، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۷ء

۱۰۔ رُوح الامین، سید، اُردو لسانیات کے زاویے، عزت اکادمی، گجرات ۲۰۰۱ء

۱۱۔ روح الامین، سید، اردو کے لسانی مسائل، عزت اکادمی، گجرات، ۲۰۰۷ء

۱۲۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر اُردو کا صوتی نظام اور تقابلی مطالعہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

۱۳۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، تشریحی لسانیات، فضلی سنز پرائیویٹ لمٹیڈ، کراچی، ۱۹۹۷ء

۱۴۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، لسانی مقالات (حصہ سوم)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

۱۵۔ شرف الدین اصلاحی، اُردو اور سندھی کے لسانی روابط، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء

۱۶۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر اُردو لسانیات، انجمنِ ترقی اُردو، کراچی، ۱۹۶۶ء

۱۷۔ صدیق خان شبلی، ڈاکٹر، اُردو کی تشکیل میں فارسی کا حصہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء

۱۸۔ عبد السلام، ڈاکٹر، عمومی لسانیات: ایک تعارف، رائل بک کمپنی، کراچی، ۱۹۹۳ء

۱۹۔ عین الحق فرید کوٹی، اُردو زبان کی قدیم تاریخ، اورینٹ ریسرچ سینٹر، لاہور، ۱۹۸۸ء

۲۰۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اُردو زبان اور لسانیات، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء

۲۱۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، عام لسانیات، ترقی اُردو بیورو، نئی نئی دہلی، ۱۹۸۵ء

۲۲۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، لسانی جائزے، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۵ء

۲۳۔ محبوب عالم خان، ڈاکٹر، اُردو کا صوتی نظام، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد
۲۴۔ محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، ہندوستانی لسانیات، مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۶۱ء

انگریزی کُتب:

1- Bloomfield, An Introduction to the study of linguistics, London, 1998

ویب سائٹس:

1- http:// grammer.about.com, 20 May, 2017

رسائل و جرائد:

۱۔ ماہنامہ اخبارِ اُردو، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، شمارہ ۶
۲۔ ماہنامہ اخبارِ اُردو، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، شمارہ ۶